NOTES

حکومتِ کرناٹک

ادب شناسی

برائے پری یونیورسٹی سال اوّل

2015 - 2016

ڈپارٹمنٹ آف پری یونیورسٹی ایجوکیشن، بنگلور

حکومتِ کرناٹک

ادب شناسی

برائے پری یونیورسٹی سال اوّل

ڈپارٹمنٹ آف پری یونیورسٹی ایجوکیشن، بنگلور

2015 - 2016

First Edition
May - 2013

© Department of Pre-University Education 2014.

Revised Edition - 2014

All Rights Are Reserved

No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photo copying, recording or otherwise without the prior permission of the publisher.

This book is sold subject to the condition that it shall not, by way of trade, be lent, resold, hired out or otherwise disposed of without the publisher's consent, in any form of binding or cover other than that in which it is published.

The correct price of this publication is the price printed on this page/cover page. Any revised price indicated by a rubber stamp or by a sticker or by any other means is incorrect and should be unacceptable.

Printed on 80 GSM Maplitho paper

The Karnataka Text Book Society ®
100 feet Ring Road, Banashankari
III Stage, BENGALURU - 560 085.

Publisher :

Abhimaani Prakashana

2/4 Dr.Rajkumar Road, Rajajinagar,
Bengaluru - 560 010, Ph: 080 23123141
e-mail:abhimaanigroup@gmail.com
web:www.abhimaanigroup.com

نصابی کمیٹی

۱۔ ڈاکٹر انیس صدیقی — چیرمین
لکچرر، نیشنل پی یو کالج ہفت گنبد، گلبرگہ۔

۲۔ جناب ایس۔ اقبال احمد — کوآرڈینیٹر
لکچرر، سری کونگاڈیپا، پی یو کالج، ڈوڈبالا پور۔

۳۔ ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن — رکن
پرنسپال، ایس کے اے ایچ، ملت پی یو کالج، داونگیرہ۔

۴۔ جناب ارشاد احمد۔ایم۔پالیگار — رکن
پرنسپال، اسلامیہ پی یو کالج، کیمپ، بلگام۔

۵۔ جناب محمد عابد اللہ اطہر — رکن
پرنسپال، گورنمنٹ انڈیپنڈنٹ پی یو کالج، بالے ہنور، چکمگلور۔

۶۔ جناب وی۔ عبدالرؤف — رکن
لکچرر، گورنمنٹ پی یو کالج، ملکالمرو، چترادرگ۔

۷۔ جناب عبدالبشیر — رکن
لکچرر، گورنمنٹ پی یو کالج، رام نگر۔

۸۔ محترمہ فہیم النساء — رکن
لکچرر، گورنمنٹ پی یو کالج، جے سی نگر، آر ٹی نگر پوسٹ، بنگلور۔

تنقیح کار

ڈاکٹر وہاب عندلیب
موظف پرنسپال، گلبرگہ

محترمہ رافعہ سعادت
موظف پرنسپال، بنگلور

نوجوانوں کے نام

وہ اپنی زبان کے بارے میں کوئی مدافعانہ رویہ نہ اختیار کریں اور ان لوگوں کی بات پر کان نہ دھریں جو یہ کہیں کہ 'اردو فوجیوں کی زبان تھی یا اردو رسم الخط غیر ملکی اور ناقص ہے یا اردو پر زیادہ تر عربی فارسی کا اثر ہے، اس میں مقامی رنگ بہت کم ہے۔'

اردو پڑھنا فرض نہیں بلکہ وظیفہ حیات جانیے۔ فرض کو تو آدمی کبھی خوشی سے کبھی بادلِ ناخواستہ انجام دیتا ہے لیکن وظیفۂ حیات جیسے سانس لینا، پانی پینا، بولنا یا ایسے کام جو انسان کی فطرت میں پیوست ہیں، اردو کو اسی طرح اپنی فطرت میں پیوست کر لیجیے۔

——— شمس الرحمن فاروقی

اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کے ارتباط و اختلاط کی وجہ سے صدیوں کے تاریخی عمل سے وجود میں آئی۔ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اشتراک کی نشانی ہے۔ اردو گنگا جمنی تہذیب یا مشترک ہندوستانی تہذیب کی انتہائی موثر ترجمان ہے۔

جمالیاتی حسن کاری کے اعتبار سے اردو ہندوستانی زبانوں کا تاج محل ہے۔

——— گوپی چند نارنگ

پیش گفتار

پری یونیورسٹی کورس کے سالِ اوّل کی نئی نصابی کتاب 'ادب شناسی' پیشِ خدمت ہے۔

یہ کتاب نئی تعلیمی پالیسی کے تحت، محکمۂ پری یونیورسٹی ایجوکیشن، بنگلور کی فراہم کردہ ہدایات کی روشنی میں، سی بی ایس ای (CBSE) کے لیے نیشنل کونسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ دہلی (NCERT) کی تیار کردہ نصابی کتابوں کو نمونہ بنا کر تیار کی گئی ہے۔

اس کتاب کے لیے ادب پاروں کا انتخاب طلبہ کی ذہنی استعداد اور ان کے فطری رجحان کے عین مطابق ان مقاصد کے پیشِ نظر کیا گیا ہے۔

- طلبہ میں اعلیٰ انسانی اقدار سے محبت پیدا کی جائے۔
- طلبہ میں سماجی، سیاسی اور سائنسی شعور بیدار کیا جائے۔
- طلبہ میں حب الوطنی اور قومی یک جہتی کے جذبات کو فروغ دیا جائے۔
- طلبہ میں شعر و ادب سے شغف پیدا کر کے ان کے ذوقِ مطالعہ کی تربیت اور تفہیمِ ادب کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے۔
- طلبہ کو اردو کی تمام اہم اصنافِ ادب اور نمائندہ اسالیبِ بیان سے واقف کرایا جائے۔
- طلبہ کو زبان کے عملی اور ادراکی پہلوؤں سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ اظہارِ مطلب کے لیے زبان کا صحت، سلاست اور شائستگی کے ساتھ استعمال کرسکیں۔

علاوہ ازیں مضامینِ نظم و نثر کے انتخاب میں تنوع اور رنگا رنگی کے ساتھ شعر و ادب کی تمام اہم اصناف اور رجحانات کی نمائندگی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اردو ادب کی ترقی و ترویج میں کرناٹک کے ادبا و شعرا کی غیر معمولی

خدمات کے پیشِ نظر اس کتاب میں ریاست کے اہم تخلیق کاروں کی تخلیقات کو شامل کیا گیا ہے کہ طلبہ کو اپنی ریاست کے تخلیق کاروں سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

اس کتاب میں شامل تخلیق کاروں کا تعارف، تخلیق سے متعلق اشارے اور مشقیں اس طرح تیار کی گئی ہیں کہ نصاب کی تفہیم میں طلبہ آسانی محسوس کریں گے۔ اس نصاب کا ایک اہم حصہ مشقیہ (Work Book) بھی ہے۔ اس حصے میں زبان و بیان کی مبادیات کو نہایت سہل اور سلیس انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ مشقوں کی شکل میں عملی تربیت کی ایسی مثالیں شاملِ مشقیہ ہیں، جن سے طلبہ میں صحیح، شستہ اردو بولنے اور لکھنے کی مہارتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس باب میں اساتذہ کرام کی خاص توجہ اور رہبری ناگزیر ہے۔

اس کتاب میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان دہلی کے مجوزہ املا کو متوازن طریقے سے اپنانے کی سعی کی گئی ہے۔ نیز یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ مرکب الفاظ کی لفظی اکائیوں کو حتی الامکان الگ الگ لکھیں تاکہ طلبہ کو اصل لفظ پہچاننے اور اسے لغت میں تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ اسی طرح عربی کی تقلید میں اردو میں غیر ضروری مستعمل ہمزہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ براہ کرم ہماری اس کوشش کو اختراع یا اصلاح پر محمول نہ کریں۔

الغرض، ہم نے اس کتاب کو دل چسپ، فکر انگیز، محرک اور بے عیب بنانے کی حتی المقدور سعی کی ہے۔ ہم ان تمام ادیبوں اور شاعروں کے شکر گزار ہیں، جن کی گراں قدر تخلیقات اس کتاب کا حصہ ہیں۔ ہم کرناٹک اردو اکادمی بنگلور کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جس کی ویب سائٹ سے کتاب کے لیے تخلیق کاروں کی تصاویر حاصل کی گئیں۔

آخر میں ہم محکمہ پری یونیورسٹی ایجوکیشن بنگلور کے اربابِ حل و عقد کے سپاس گزار ہیں، جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ہماری رہنمائی فرمائی۔

ڈاکٹر انیس صدیقی

چیرمین اردو نصابی کمیٹی

مشمولات

حصہ نثر

۱۔ حضور اکرمؐ بہ حیثیت معلمِ انسانیت	(سیرتِ نبویؐ)	محمد عبدالحمید اکبر	09
۲۔ عقل	(دکنی نثر)	ملّا وجہی	17
۳۔ دعا	(افسانہ)	سید محمد اشرف	23
۴۔ بحث وتکرار	(اخلاقیات)	سرسید احمد خان	34
۵۔ ہمارے خانساماں	(طنزومزاح)	مشتاق احمد یوسفی	39
۶۔ ہفت افلاک سے آگے	(سائنس)	اظہار اثر	48
۷۔ قصہ بُلٹ ٹرین کا	(سفرنامہ)	مجتبیٰ حسین	57
۸۔ ممتاز شیریں	(خاکہ)	نظیر صدیقی	66
۹۔ ہمزہ کا بیان	(قواعد)	گوپی چند نارنگ	75
۱۰۔ چھتری	(ڈرامہ)	غلام یزدانی	83
۱۱۔ مردہ گھر	(کنڑا کہانی)	چدورنگا	92

نظمیں

۱۔ حمد	امجد حسین حافظ کرناٹکی	107
۲۔ نعت	سلیمان خمار	111
۳۔ دنیا دارالمکافات ہے	نظیر اکبرآبادی	115
۴۔ دولت اور وقت	الطاف حسین حالی	119
۵۔ ایک نوجوان کے نام	علامہ اقبال	123
۶۔ زندگی	علی سردار جعفری	127

۷۔ کرناٹک	ضمیر عاقل شاہی	131
۸۔ خواہش	اختر الایمان	135
۹۔ اکائی	شاذ تمکنت	139
۱۰۔ پیارا وطن ہمارا	سلیمان خطیب	143
۱۱۔ ایک دوست کے لیے	خلیل مامون	146

غزلیں

۱۔ دل، دماغ و جگر یہ سب اک بار	میر تقی میر	153
۲۔ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں	مرزا غالب	156
۳۔ کسی کا ہوا آج، کل تھا کسی کا	مومن خان مومن	159
۴۔ تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں	شاد عظیم آبادی	162
۵۔ اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم	حسرت موہانی	165
۶۔ ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے	فیض احمد فیض	168
۷۔ دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی	ناصر کاظمی	171
۸۔ جب ہوا عرفان تو غم، آرامِ جان بنتا گیا	مجروح سلطان پوری	174
۹۔ وہ نہ چاہے تو میں بینا نہ رہوں	محمود ایاز	177
۱۰۔ دھند چھٹتی جائے گی منظر بدلتے جائیں گے	حمید الماس	180
۱۱۔ یہ کیسا اذنِ تکلم ہے، جس کی تاب نہ ہو	پروین شاکر	182

رباعیات

۱۔ اکبر الٰہ آبادی	186
۲۔ امجد حیدر آبادی	186
۳۔ عطا کلیانوی	187

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم انسانیت

پروفیسر عبدالحمید اکبر

تخلیق کار اور تخلیق :

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر 15 / دسمبر 1956کو گلبرگہ کے ایك علمی و مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد قاری عبدالعزیز اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے۔ محمد عبدالحمید اکبر کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مومن پورہ اور ملٹی پرپز ہائی اسکول میں ہوئی۔ ایس بی کالج سے بی اے اور ایم اے (اردوو فارسی) کرناٹك یونیورسٹی دھارواڑ سے کیا ۔ ایم اے عربی ، عثمانیہ یونیورسٹی اور مولوی اور مولوی عالم کے امتحانات جامعہ نظامیہ سے پاس کیے پھر پونے یونیورسٹی نے انہیں ان کے تحقیقی مقالے 'انوار اللہ فاروقی: شخصیت علمی و ادبی کارنامے' پر پی ایچ ڈی عطا کی۔اسٹیٹ بینك آف حیدرآباد میں ملازم ہوئے لیکن پیشۂ تدریس سے والہانہ لگاؤکے سبب انھوں نے بینك کی ملازمت کو خیرباد کہا پھر ان کا تقرر گلبرگہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں بہ حیثیت پروفیسر ہوا۔

محمد عبدالحمید اکبر نے 1986میں مدراس میں منعقدہ کل ہند مقابلہ حسنِ قرأت میں دوسرا انعام حاصل کیا تھا۔ علاوہ ازیں 1991میں حیدرآباد

میں منعقدہ کل ھند مقابلہ حسنِ نعت میں انعام اول کے مستحق قرار پائے۔

مذھب اور تصوف محمد عبدالحمید اکبر کے خاص میدان ھیں۔ لیکن شعر و ادب سے بھی انھیں لگاؤ ھے۔ علمی ، ادبی اور مذھبی موضوعات پرلکھے گئے ان کے درجنوں تحقیقی اور تنقیدی مقالے مختلف رسالوں کی زینت بن چکے ھیں۔ کئی قومی سمیناروں میں انھوں نے شرکت کی ھے۔

زیرِ نظر مضمون میں پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر نے حضور اکرمؐ کے اخلاق و عادات کے تناظر میں حضور اکرمؐ کے معلمانہ کردار پر روشنی ڈالی ھے۔ کیوں کہ حضورؐ کی ذاتِ با برکات کی بعثت کا اولین مقصد فضائلِ اخلاق اور اعمالِ حسنہ کی تعلیم و تربیت ھے۔ لھٰذا حضور اکرمؐ کی بے مثال تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ دنیا کی غیر مھذب قوم انسانیت کی علم بردار اور تھذیب یافتہ قوم بن گئی۔

حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نمائندگی ملتی ہے،اور انسانی زندگی سے متعلق تمام مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ مثلاً تجارت ، بہادری، سچائی ، شرافت ، ایمان داری،انصاف،ظلم سے نفرت،مظلوموں اور کمزوروں سے ہمدردی ، یہ سب خوبیاں ایسی ہیں، جو عظیم انسانوں میں پائی جاتی ہیں ۔ یہ تمام خوبیاں نام ونمود کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت میں جب کسی انسان کے اندر پائی جاتی ہیں تو محبت اور تعلیم کے جذبے سے ہمارا دل ان خوبیوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے،جن کی بنیاد پر وہ کائنات کے مرکز عقیدت بنے رہے۔

بچپن میں آپؐ کے عادات واطوار، عام بچوں سے بالکل مختلف تھے۔ آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے پیشن گوئی کی تھی کہ میرا یہ فرزند ایک دن پوری نسلِ انسانیت کا رہبر ہوگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے تجارت کی خاطر اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ گئے اور تجارت کے دوران آپ ؐ کی غیر معمولی صلاحیت، صداقت اور سچائی سے لوگ آپ ؐ کے گرویدہ ہو گئے، لیکن جب آپ ؐ نے مکمل طور پر تجارت شروع کی تو آپ ؐ کی راست بازی اور دیانت داری پر قوم نے آپ کو 'امین' اور 'صادق' کا لقب دیا۔

بچوں سے آپ ؐ کی شفقت و محبت کا انداز بالکل نرالا اور بے مثال رہا۔ انھیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرتے، سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، گود میں اٹھا لیتے ایک کم سن بچے کو پیار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''یہ بچے باغِ الٰہی کے پھول ہیں''۔ محبت کا یہ جذبہ صرف بچوں اور اپنے گھر تک ہی محدود نہیں بلکہ سماج کے تمام افراد کے ساتھ کارفرما تھا۔ اسی ضرورت کے تحت آپ ؐ نے شادی بھی کی تاکہ انسانی زندگی کا یہ پہلو تشنہ نہ رہ جائے اور شادی کے بعد اس ذمہ داری کو بھی بہ حسن و خوبی نبھایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ جب گھر پر ہوتے تو اہل و عیال سے حالاتِ حاضرہ پر بھی گفتگو فرما لیتے اور کبھی دلچسپی کے لیے اسلاف کے قصے، کہانیاں بھی سناتے، کبھی گھریلو امور پر بھی نہایت متانت اور وقار کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب گھر میں رہتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق کپڑوں کی دیکھ بھال کرتے، بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑوں پر خود ہی پیوند لگاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، آٹا پسواتے، بازار سے سودا لے آتے اور ضرورت کی چیزیں ایک ہی کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے۔ انسانی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے طنز و مزاح اور تفریحی مشاغل، زندگی کا اہم جزو سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ بچوں سے دل لگی کرنا، ازواج مطہرات کے ساتھ ہنسنا ہنسانا، دوڑ اور تیراندازی وغیرہ جیسے امور سے آپ ؐ کو خاصا لگاؤ تھا۔ اور یہ تمام خوبیاں آپ ؐ کی حیات طیبہ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ تاکہ ایک انسان ہر زاویے سے آپ ؐ کی زندگی اور طریقہ کار کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنا سکے۔

خادموں کے ساتھ آپ ؐ کے حسنِ سلوک کی عمدہ مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ؐ نے کسی کام کے لیے باہر بھیجا اور وہ گھر سے نکلے، مگر راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے، وہ بھی ان کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضور ؐ انس کی تلاش میں نکلے اور دیکھا کہ وہ کھیل میں مصروف ہیں۔ نہایت پیار و محبت کے ساتھ پیچھے سے حضور ؐ نے

ان کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت انسؓ نے جب حضورؐ کی طرف دیکھا تو وہاں غصے کا نام ونشان بھی نہیں تھا بلکہ مسکرا کر فرمایا۔ ''اے انسؓ جس کام کے لیے میں نے تمھیں بھیجا تھا وہ کام ہو گیا؟'' حضرت انسؓ نے عرض کیا۔ ''جی حضورؐ ابھی جاتا ہوں''۔ حضورؐ کی قوت برداشت کا یہ عالم تھا کہ حضرت انسؓ کو نہ آپؐ نے ڈانٹا نہ کوئی سزا دی بلکہ مسکرا کر ان سے شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا۔ خادموں کے ساتھ یہ انداز اور یہ سلوک معاشرہ کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوا۔ اس واقعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیے حضور اکرمؐ نے جو تعلیم دی، اس کا خود بھی عملی طور پر مظاہرہ فرمایا۔

حضور اکرمؐ نے لوگوں کے ساتھ ہم آہنگی اور بھائی چارگی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے روگردانی کا سلوک نہ کرو۔ بغض وحسد نہ رکھو۔ سب خدا کے بندے ہیں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

قوت برداشت اور صلہ رحمی کا درس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ مثلاً ایک یہودی نے اپنے قرض کا قبل از وقت مطالبہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے سے چادر اتاری اور کُرتا تھام کر سختی کرنے لگا۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہودی کے اس سخت رویے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور وہ یہودی کو ڈانٹنے لگے۔ قریب تھا کہ اسے پیٹتے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مسکراتے ہوئے روکا اور فرمایا ''عمر! میں اور یہ یہودی تم سے ایک اور برتاؤ کے زیادہ مستحق تھے یعنی مجھ سے تم بہتر ادائیگی اور اس سے بہتر تقاضے کے لیے کہتے۔ پھر فرمایا کہ جاؤ فلاں شخص سے کھجوریں لے کر اس کا قرض ادا کر دو اور بیس صاع (تقریباً 100 کلو) زیادہ دینا کیوں کہ تم نے اس کو ڈانٹا بھی ہے۔

حضور اکرمؐ جب کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو ناامیدی سے دور رہنے کی اسے ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اے اللہ کے بندو! علاج کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے علاوہ ہر مرض کی دوا پیدا فرمائی ہے۔

حضور اکرمؐ کی مقدس ذات میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں، جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عبادت وریاضت کی بے مثال مشغولیت کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں کا حد درجہ

خیال رکھتے اور ان کی خبر گیری کرتے۔ اپنے سخت ترین دشمنوں کو معاف کرتے محتاجوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے، کم بولتے، ادب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، بچوں سے پیار کرتے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ امتیاز نہیں برتتے۔ مثلاً ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے کہ اپنے ساتھیوں کو ایک بکری ذبح کرنے اور پکانے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا: میں اس کو ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا۔ میں اس کی کھال اتاروں گا۔ تیسرے نے کہا، میں اس کو پکاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں لکڑیاں جمع کروں گا''۔ ساتھیوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم سب کام کرلیں گے تو آپؐ نے فرمایا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب کرلوگے مگر میں امتیاز کو پسند نہیں کرتا''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تعلیم و تربیت، گفتگو، سوال و جواب، اطلاعات اور خطابت پر مشتمل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر کوئی سوال کے ذریعے پہلے مخاطب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتے اور اس کے تجسّس کو ابھارتے پھر اپنی بات پیش کرتے، کبھی کچھ کہنا ہوتو اسے سوالات کی شکل میں رکھتے اور پھر صحیح جواب ارشاد فرماتے، اسی طرح دوسروں کو بھی پوچھنے کا موقع دیتے۔

آپؐ کسی بھی حالت میں ہوتے، تنہا ہوتے، لوگوں کے درمیان ہوتے، گھر میں، مسجد میں یا میدانِ جنگ میں ہوتے اور جہاں بھی تعلیم و تربیت کے فطری مواقع ہاتھ آجاتے، ان سے مکمل فائدہ اٹھاتے اور باتوں باتوں میں ضروری معلومات بہم پہنچا دیا کرتے۔

جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے تو آپؐ اطلاعی اندازِ بیان اختیار کرتے اور اختصار کو ملحوظ ضرور رکھتے۔ اس کو واضح کرنے کے لیے برمحل تشبیہات و تمثیلات سے بھی کام لیتے اور اس کی ایسی موثر لفظی تصویر کھینچ دیتے کہ حقائق آنکھوں کے سامنے آجاتے۔ مثلاً آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس پر لگی ہے''۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا۔ ''جو شخص دنیادار ہوتا ہے، وہ گناہوں سے نہیں بچ سکتا''۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''کیا کوئی شخص ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟''

عرض کیا گیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا تو آپؐ نے فرمایا، اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ پھر آپؐ گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔

صحابی رسول حضرت ابوذرِ غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک روز ایک کالے رنگ کے آدمی سے ''اے کالے رنگ والے'' کہہ کر خطاب کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ سب کو ایک ہی پیمانے سے دو یعنی ایسا نہ کرو کہ کسی کو اچھے الفاظ سے خطاب کرو اور کسی کو بُرے الفاظ سے۔ انسانوں کے درمیان امتیاز نہ کرو، پھر اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اخلاق اور کردار کی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں اخلاق کی تعمیر و تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ آپؐ کی بعثت کا اولین مقصد فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ کی تعلیم و تربیت ہے۔ حضورؐ نے ان تمام اخلاقی اقدار کی تعلیم دی، جن میں صداقت، امانت، صبر و تحمل، عفو و درگزر، عدل و انصاف، سخاوت، فیاضی، شجاعت، عزم و استقلال شامل ہیں۔ آپؐ کی معلمانہ صلاحیتوں سے تمام اقوام عالم نے بصیرت اور زندگی حاصل کی۔

اس معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے معلمانہ کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک انگریزی کتاب The Hundred کے مصنف ڈاکٹر مائیکل ایچ ہارٹ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے وہ تنہا شخص ہیں، جو مذہبی اور دنیوی دونوں لحاظ سے بے انتہا کامیاب رہے۔

انہی عملی واقعات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل مشفقانہ تعلیم و تربیت نے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا، جس کا اثر 23 سال کے قلیل عرصے میں یہ ہوا کہ دنیا کی غیر مہذب قوم انسانیت کی علم بردار اور تہذیب یافتہ قوم بن گئی، جس نے اخلاقی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے ایک ایسا فکری انقلاب برپا کیا جس کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔

I لغت:

1) الفاظ

شفقت	=	لطف، مہربانی، رحم
محدود	=	گھرا ہوا، احاطہ کیا ہوا
تشنہ	=	پیاسا، خواہش مند
اسلاف	=	سلف کی جمع، اگلے وقتوں کے لوگ، بزرگ
تواضع	=	خاطر مدارات، مہمان نوازی
امتیاز	=	فرق، تمیز، سمجھ
شعور	=	عقل، سلیقہ، سمجھ

2) مرکبات:

غیر معمولی	=	معمول کے خلاف، خلاف دستور، بہت زیادہ
حسنِ سلوک	=	برتاؤ کی اچھائی، اچھا رویہ
فضائلِ اخلاق	=	اخلاق کی خوبیاں، نیکیاں
اصلاحِ معاشرہ	=	سماج کی درستی، سماج سدھار
اعمالِ حسنہ	=	نیک کام
قوتِ برداشت	=	برداشت کرنے کی طاقت
صلۂ رحمی	=	عزیزوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک
ملحوظِ خاطر	=	دلی توجہ، دل سے خیال رکھنا
تشبیہات وتمثیلات	=	ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھہرانا
نام ونمود	=	ظاہری ٹھاٹھ، نمائش، دکھاوا
عفو ودرگذر	=	معافی وبخشش
تعلیم وتربیت	=	سکھانا، ہدایت دینا

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

۱) حضورِ اکرمؐ کے دادا عبدالمطلب کی پیشن گوئی کیا تھی؟

۲) حضورؐ کا طریقۂ تعلیم و تربیت کن امور پر مشتمل ہے؟

۳) حضورِ اکرمؐ نے کمسن بچے کو پیار کرتے ہوئے کیا فرمایا؟

۴) حضورِ اکرمؐ جب کوئی معلومات فراہم کرنا چاہتے تو کونسا انداز بیان اختیار کرتے؟

۵) حضورؐ کی بعثت کا اولین مقصد کیا ہے؟

۶) ڈاکٹر مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب میں آپؐ کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

2) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) قوم نے آپؐ کو 'امین' اور 'صادق' کا لقب کب دیا؟

۲) حضورؐ بچوں سے کس طرح پیش آتے تھے؟

۳) حضورِ اکرمؐ نے ہم آہنگی اور بھائی چارگی کی تعلیم دیتے ہوئے کیا فرمایا؟

۴) حضورِ اکرمؐ عیادت کے لیے جاتے تو کس بات کی ترغیب دیتے؟

۵) حضورِ اکرمؐ نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت کو کس طرح واضح فرمایا؟

3) ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) حضورِ اکرمؐ کی زندگی سادگی کا بہترین نمونہ ہے۔ وضاحت کیجیے؟

۲) خادموں کے ساتھ حضورِ اکرمؐ کے حسن سلوک کا واقعہ بیان کیجیے؟

۳) حضورِ اکرمؐ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی کس بات پر ناگواری کا اظہار کیا اور کیا نصیحت فرمائی؟

۴) حضورِ اکرمؐ کی قوت برداشت اور صلہ رحمی سے متعلق کوئی واقعہ لکھیے؟

3) سیرت طیبہؐ پر ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔

۱) رحمت عالم: سید سلیمان ندوی ۲) محمد رسول اللہؐ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ

عقل

ملّا وجہی

تخلیق کار اور تخلیق :

نام اسد اللہ، تخلص وجہی، احترامی لقب ملّا، ملّا وجہی کے قلمی نام سے مشہور ہیں۔ گولکنڈہ میں پیدا ہوئے ملّا وجہی ، قطب شاہی دور کے ممتاز شاعر اور نثر نگار تھے۔

دکن کی پہلی طبع زاد مثنوی 'قطب مشتری' کے خالق ملّا وجہی نے دکنی کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کی۔ وجہی کی پہلی نثری کتاب 'تاج الحقائق' ہے، جو تصوفانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ 'سب رس' وجہی کی دوسری نثری تصنیف ہے۔ عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی یہ کتاب دراصل فارسی کی مشہور داستان 'قصۂ حسن و دل' کا دکنی روپ ہے۔ یہ ایک تمثیل ہے، جس میں مذہب، اخلاق، سماج ، عشق کے علاوہ انسانی فطرت کو موضوع بنایا گیا ہے۔

موضوع کی دلچسپی، جذبہ کی فراوانی اور زبان کی دل کشی کی بنا پر 'سب رس' دکنی کا پہلا ادبی شاہ کار تصور کی جاتی ہے۔

بلاشبہ قطب شاہی دربار کا ملک الشعرا ملا وجہی ایک عظیم شاعر اور

نثر نگار تھا۔

'عقل' کے عنوان سے زیر نظر عبارت ملّا وجہی کی تصنیف 'سب رس' سے ماخوذ ھے۔ جس میں ملّاوجھی نے تخیلات کے موتی بکھیر کر انسانی زندگی میں عقل کی اھمیت اور فوقیت کو واضح کیا ھے۔ ملّاوجھی کے مطابق عقل سے ھی آدمی دوسروں کے دلوں پر راج کرتا ھے۔ عقل ھی انسان کو خود شناس اور خدا شناس بناتی ھے۔ عقل ھی انسان میں بھلائی اور برائی کی تمیز پیدا کرتی ھے اور انسان کا سارا علم و ھنر اس کی عقل پر ھی منحصر ھوتا ھے۔

ملّا وجھی کی نثر مسجع اور مقفیٰ ھے۔ جس سے اس کی تاثیر اور دل کشی میں چار چاند لگتے ھیں۔

دین و دنیا کا تمام کام عقل تے چلتا، اس کے حکم باج ذرا کیں نیں ہلتا، اس کے فرمائے پہ جنو چلے، ہر دو جہان میں ہوے بھلے۔ دنیا میں خوب کہوائے، چار لوکاں میں عزت پائے، جہاں رہے کھڑے، وہاں قبول پڑے۔ نہ آفت دیکھے نہ زلزلہ۔ اپے بھلے تو عالم بھلا۔ کسی کوں بُرا بولنا یو دسواس ہے۔ بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ اپے چل نہیں جانتے، دسریاں پر بُرا مانتے۔ اول اپنی خبر میں اپے رہنا، پچھے دسریاں کوں بُرا کہنا۔ جنے اپس کوں پچھانیا انے سب جانیا۔ جدھر ڈھلنا ہے، ادھر عقل کے اجالے میں چلنا ہے۔ آدمی نے عقل چھوڑیا، دیوانہ ہوا اپنا سر اپے پھوڑیا۔

عقل میں جو کا کلوت ملتی، تو حرمت میں نقصان ہوتا، مدعا دور پڑتا دل تی۔ اگر منگتا ہے جو دل کوں تازا رکھے مدعا پاوے تو بھلا ہے کہ عقل میں کا کلوت کوں نہ ملا دے، سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک، یو پند ہے اگر تجہ میں کچہ سمج ہے تو سیک۔ جکوئی یو چانت چلنا ہے، وو کامل ہوتا ہے۔ روشن طبیعت زندہ دل ہوتا ہے۔ عقل میں کا کلوت، جوں ریشم میں سوت، جوں دود میں چھاچ۔ جوں شیرے میں نیرا، جوں اجلے زیرے میں کالا زیرا۔ جنے دل کو جلایا، انے کچھ پایا۔ قدم انگے دھریا، ۔ انجانتا بچارا بھلا، جاننے

پر پڑے بلا، کاکلوت تی جو دل مرے گا تو پچھیں دل بچارا کیا کام کرے گا۔ دل اس کا جینا ہے جس میں عشق ہور ہمت ہے۔ جیونا بی اسیچ کا ہے۔ اس پر رحمت ہے جیوں حافظ بولیا ہے، دل کے گھر کے دروازے کھولیا ہے۔ بیت:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خاص اچھو یا عام آخر عقل کے حکم سوں لگیا ہے کام۔ اس کے حکم باج کوئی کسی کام میں جاوے، اپنا کیا اپے پاوے ہے۔

عقل ہے بازو ولے باز بلند پرواز

شکار گاہ ہے اس کا حقیقت ہور مجاز

عقل نور ہے، عقل کی ڈور بہوت دور ہے۔ عقل ہے تو آدمی کہواتے، عقل ہے تو خدا کوں پاتے۔ عقل اچھے تو تمیز کرے۔ بُرا ہور بھلا جانے، عقل اچھے تو اپس کوں ہور دسرے کوں پچھانے، عقل تی میر، عقل تی پیر، عقل تی پادشاہ، عقل تی وزیر۔ عقل تی دنیا عقل تی دولت، عقل تی چلتی سلطان کی سلطنت۔ عقل تی رہیا ہے یو عالم کھڑیا۔ جس میں بھوت عقل وو بھوت بڑا۔ عقل سوں چلتی خدا کی خدائی، جتنی عقل اتنی بڑائی۔ عقل نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا، کچھ رُچہ نہ ہوتا۔ بیت:

عقل نور تے سب جگ نے نور پایا ہے

جنے جو علم سیکھا سو عقل تی آیا ہے

عقل بغیر دل کوں نور نہیں، عقل کوں خدا کہنا بی کچہ دور نئیں۔ بیت:

جسے ہے عقل وو ہر بات کوں سنبھال کہے

جو سو برس کو ہوے گا سو وو اتال کہے

کرامت کتے سو عقل تمام، جکچھ دنیا میں ہوا سو سب عقل کا کام۔ عقل تی ہوا سب حلال ہور حرام، عقل تی پکڑیا فرق خاص ہور عام۔ عقل تی رکھے ہر ایک کا نام، نئیں تو کاں تھا صبح ہور شام، شیشہ ہور جام، پستہ بادام، صیاد و دام، صاحب غلام، یو کچ عجب نقل ہے۔ غرض جو کچھ ہے سو عقل ہے۔

I لغت

1) الفاظ و معنی:

تے = سے

باج = بغیر

کیں = کہیں

نئیں = نہیں

جنو = جو (جنھوں)

کہوائے = کہلوائے

لوکاں = لوک کی جمع، چار لوکاں ۔ دنیا، لوگ

اپے = خود

کوں = کو

یو = یوں/ یہ

وسواس = دل کا کھٹکا، وسوسے

چل = چلن، چال

دسریاں = دوسرے

پچھے = بعد

جنے = جس نے

اپس = اپنے آپ (خود)

پچھانا = پہچانا

جو = جب

کالکوت = حجت، چوں چرا

حرمت = عزت، تقدس

مدعا	=	مقصد/مطلب
تی	=	سے
سکت	=	طاقت/ہمت
پند	=	نصیحت
سیک	=	سیکھ
جوں	=	جیسے
سوت	=	روئی
رہیا	=	رہا
رچہ	=	مزہ
وو	=	وہ
اتال	=	جلد
انگے	=	آگے
دھریا	=	بڑھایا، رکھا
پچھیں	=	پھر
جیونا	=	جینا
بی	=	بھی
اسیچ	=	اسی
اچھو	=	ہو
سوں	=	سے
میر	=	امیر

نیرا = سیندی یا دارو سے ملتا جلتا وہ مشروب جو سیندی کے درخت سے نکالا جاتا ہے اور طلوع شمس سے پہلے استعمال کریں تو اسے نیرا کہتے ہیں جس میں خمار نہیں ہوتا۔

2) ان سوالوں کا ایک جملے میں جواب دیجیے۔

۱) دین و دنیا کا کام کس سے چلتا ہے؟

۲) روشن طبیعت والا کیسا ہوتا ہے؟

۳) زندہ دل کون ہوتا ہے؟

۴) عالم کا دارومدار کس پر ہے؟

۵) عقل سے کسے نور ملتا ہے؟

3) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں دیجیے۔

۱) کاکلوت سے مراد کیا ہے؟ اگر یہ عقل میں سما جائے تو کیا ہوتا ہے؟

۲) رحمت کس پر ہوتی ہے؟

۳) عقل کو باز قرار دے کر شعر میں مزید کیا کہا گیا ہے؟

۴) عقل سے کیا کارنامے انجام پاتے ہیں؟

4) ان سوالوں کا جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) ملّا وجہی نے عقل کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

۲) ٹیڑھی عقل کو واضح کرنے کے لیے وجہی نے کیا کیا مثالیں دی ہیں؟

۳) عقل کیا کیا کام انجام دیتی ہے؟ وضاحت کیجیے۔

III ان دکنی کتابوں کو بھی پڑھیے۔

۱) سب رس : ملّا وجہی

۲) کلمۃ الحقائق : برہان الدین جانم

دعا

سید محمد اشرف

تخلیق کار اور تخلیق :

سید محمد اشرف 8/جولائی 1957ء کو اتر پردیش کے ضلع ایٹہ کے قصبے مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ علمی، ادبی اور مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ سید محمد اشرف نے پری یونیورسٹی، بی اے اور ایم اے کے امتحانات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے امتیازی نشانات سے پاس کیے۔ 1980میں یونین پبلک سروس کمیشن نئی دھلی، کے مسابقتی امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور انکم ٹیکس آفیسر کی حیثیت سے انھوں نے ملازمت کا آغاز کیا۔سید محمد اشرف کو یہ افتخار حاصل ھے کہ انھوں نے یونین پبلک سرویس کمیشن کی تاریخ میں پھلی بار اعلیٰ سطح کا یہ مسابقتی امتحان اردو زبان میں دیا اور کامیابی حاصل کی۔ اب وہ انکم ٹیکس کمشنر کی حیثیت سے دھلی میں برسرکارھیں۔

1980ء کے آس پاس انھوں نے کھانیاں لکھنے کی شروعات کی اور قلیل مدت میں ان کانام دورِجدید کے ممتاز افسانہ نگاروں کی فھرست میں درج ھوگیا۔ ان کے افسانے اپنے عھد کے کرب، قدروں کی پامالی اور معاشرے

کی زوال پذیری کے آئینہ دار ھیں۔ زبان و بیان پر فن کارانہ گرفت اور کرداروں کے انتخاب میں ماھرانہ چابك دستی ان کے افسانوں کی خاص خصوصیات ھیں۔

تاحال ان کے افسانوں کے دو مجموعے 'ڈارسے بچھڑے' اور 'بادصبا کا انتظار' کے علاوہ ایك ناول 'نمبردار کا نیلا' شائع ھوچکے ھیں۔

سید محمد اشرف کو 2003میں ساھتیہ اکادمی کے باوقار ایوارڈ کے علاوہ1995میں 'کتھا ایوارڈ' سے بھی نوازا گیا۔

سید محمد اشرف کی زیر نظر کھانی 'دعا' شھر کے متوسط خوش حال گھرانے میں استحصال کا شکار ایك ایسے نو عمر لڑکے کی کھانی ھے، جو اپنے گاؤں کو چھوڑ کر اس لیے شھر آتا ھے، کہ وہ اپنے ماں باپ اور بھائی بھن کی مدد کرسکے۔ لیکن جس گھر میں وہ ملازم ھے وھاں صبح سے رات دیر گئے تك میم صاحب اور صاحب کے حکم پر بغیر کسی رکاوٹ کے مسلسل مختلف طرح کے کام اسے نپٹانے پڑتے ۔ نتیجتاً اس کے دل میں غیر محسوس طریقے سے صاحب اور میم صاحب کے خلاف نفرت اور احتجاج کا جذبہ پیدا ھونے لگتا ھے ۔ چنانچہ ایك دفعہ جب طوفان آتا ھے تو میم صاحب کے کھنے پر وہ جانماز بچھا کر نماز اور وظیفہ توپڑھتا ھے لیکن طوفان کو ٹالنے کے لیے دادا کی سکھائی ھوئی دعا نھیں پڑھتا۔ لڑکے کا طوفان سے حفاظت کے لیے دعا نہ مانگنا دراصل اس سے روا رکھے گئے استحصال کا ردِ عمل ھے۔ اس طرح یہ کھانی جھاں سماج میں بچوں کے استحصال کا نوحہ ھے وھیں اس کے خلاف احتجاج کی خوبصورت تصویر بھی ھے۔

اس نے روٹی توے پر ڈال کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ رنگ برنگے کپڑے پہنے کالونی کے بچے لان میں کھیل رہے تھے۔

''بارش آنے والی ہے۔ کپڑے اٹھاؤ'' میم صاحب نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور چلائیں۔

''کپڑے اٹھاؤ'' اس نے دھیرے سے دہرایا۔

گیس کا چولھا بند کر کے آٹے میں سنے ہاتھوں کو تیزی سے دھوتا ہوا بالکنی میں گیا۔ کپڑے اٹھائے اور اسٹور روم میں بند ھے لوہے کے پائپوں پر لٹکا دیے۔ کپڑوں سے بوند بوند پانی ٹپکنے لگا۔ اب یہ جگہ صبح تک نہیں سوکھے گی۔ میں تھوڑا سا کھسک کر سو جاؤں گا۔ اس نے اندازہ کیا کہ اگر رات بھر ایک کروٹ سے سویا جائے تو گیلی زمین سے بچا جا سکتا ہے۔ اچانک اسے توے کی روٹی کا خیال آیا۔ وہ جلدی سے کچن میں داخل ہوا۔ روٹیاں پکانے لگا۔ پھر کچھ خیال آیا ہاتھ دوبارہ دھوئے۔ اسٹور روم میں جا کر فل اسپیڈ پر پنکھا چلایا اور واپس آ گیا۔ کچن کی کھڑکی سے ڈرائنگ روم کی گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ ایک بجنے والا ہے۔ بے بی، بابا کی اسکول بس آنے والی ہے۔ آخری روٹی ڈبے میں رکھی ڈھکنا بند کیا۔ ہاتھوں پر لگے آٹے کو مسلتا، دروازہ کھولتا، سیڑھیاں اترا اور بس اسٹینڈ کے پاس جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ بس آ گئی۔ امس اور گرمی سے کمھلائے چہرے لیے دو ننھے ننھے بچے بستے لیے اترے۔ دونوں کی انگلی پکڑ کر فلیٹ تک آیا۔ بستے سے جھانکتی کورس کی رنگین کتابوں کو راستے بھر دیکھنے کی کوشش کی مگر بچے ایک سا کہاں چلتے ہیں۔ ایک سیدھا قدم ادھر، دوسرا ٹیڑھا قدم ادھر، گھر میں داخل ہو کر بچوں نے کرسی پر بیٹھ کر جوتے آگے کر دیے۔ اس نے جھک کر باری باری دونوں کے جوتے اتارے۔ پھر بے بی نے موزے آگے کر دیے۔ اتنے میں بابا اپنے موزے اتار کر ان سے فٹ بال کھیل چکے تھے۔ موزے بین کرلایا تو بابا اور بے بی جوتوں سے فٹ بال کھیلنے لگے تھے۔

''ان بچوں کو'' میم صاحب قریب آتے ہوئے رسان سے بولیں۔ ''سکھاؤ۔ جوتے الماری میں رکھیں۔ موزے دھونے کے لیے ڈال دیں۔ ٹیبل پر بچوں کا کھانا لگانے سے پہلے فروٹ کاٹ کر رکھ دو۔''

''فروٹ کاٹ کر رکھ دو'' اس نے منھ ہی منھ میں دہرایا۔ فروٹ کاٹتے وقت اس کا ہاتھ چھری

سے کٹ گیا۔ لال لال خون۔ بابا اور بے بی پہلے تو خون دیکھ کر چونکے اور پھر ٹھٹھے لگائے، مگر اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر ماما سے چھری کی شکایت کرنے چلے گئے۔

''تمھیں جب فروٹ کاٹنے کی بہت جلدی ہوتی ہے تبھی تم اپنا ہاتھ کاٹتے ہو۔ جاؤ پہلے ہاتھ اچھی طرح سے دھوؤ۔ ڈیٹول لگاؤ۔ تب آ کر کھانا لگانا۔ ڈیٹول کی بو کھانے میں نہ آئے۔ دھیان رکھنا۔''

''دھیان رکھنا'' وہ اپنے آپ سے بولا۔

'ماما۔ آج ہم بارش میں نہائیں گے۔'' دونوں نے ایک ساتھ ضد کی۔

''نہیں پہلے کھانا کھالو۔ پاپا ڈانٹیں گے آفس سے آ کر''

''پاپا کو مت بتانا۔ ہمیں سلیم لے جائے گا نیچے۔ پلیز ماما''

''آج بارش بہت زور کی ہے۔'' میم صاحب نے جیسے خود سے کہا۔

''بچوں کو کھانا کھلا کر کچھ دیر کے لیے سلا دو۔ شام تک بارش ہوتی رہے تو نیچے لے جانا۔ بچے بارش میں نہانا چاہتے ہیں۔ رین کوٹ پہنا کر لے جانا۔ میں بھی اب سوتی ہوں۔ فون کا ریسور اٹھا کر رکھ دینا۔''

''کیا آج میم صاحب خط لکھیں گی۔'' اونگھتی ہوئی مالکن سے دو گھنٹے بعد دبی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''ہاں ہاں ضرور لکھوں گی۔'' میم صاحب نے بڑی خوش دلی سے کہا۔ اگر خط نہ لکھوں تو اس کے ماں باپ خیریت نہ پا کر بوکھلا کر اپنے وطن سے یہاں آ جاتے ہیں۔ پندرہ سو، دو ہزار روپے کرایہ۔ تنگ مکان میں دو دن مہمان داری کچھ جوڑے پرانے کپڑے۔

''قبلہ جناب والد صاحب اور اماں صاحبہ۔ السلام علیکم''

''السلام علیکم میں'' ایس'' سنگل ہے کہ ڈبل'' میم صاحب نے صاحب سے پوچھا جو آفس سے آ کر بیگ رکھ رہے تھے۔

''جیسا سلام ہو۔ بہت محبت بھرا ہو تو ڈبل ایس ورنہ سنگل ایس سے کام چل جائے گا۔''

میم صاحب نے لگاوٹ سے منہ بنا کر صاحب کی بات سنی اور خط لکھنا شروع کیا۔ صاحب ہاتھ

روم میں جا چکے تھے۔

''میں یہاں پر بالکل خیریت سے ہوں اور خداوند کریم سے آپ سب کی خیریت نیک چاہتا ہوں آپ دونوں کی بہت یاد آتی ہے۔'' ......

میم صاحب نے اس کی طرف، بغیر کسی غصے کے دیکھا۔''اس سے وہ سمجھیں گی کہ تم بہت پریشان ہو۔ وہ بھی پریشان ہو جائیں گے اور پھر......اسے یوں لکھ دیں کہ امید ہے آپ دونوں مجھے یاد کرتے ہوں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟''

''جی ہاں......اور بہت دنوں سے آپ کو دیکھا نہیں تو......''

''اسے یوں لکھواؤ کہ ابھی حال میں جب آپ دونوں آئے تھے تو آپ کو دیکھ کر بہت دل خوش ہوا تھا......ایسی بات لکھواؤ جن سے ان کا دل خوش ہو۔''

''جی......اور یہاں آج کل بارش ہو رہی ہے۔ گاؤں میں تو ابھی گرمی ہوگی۔ گرم ہوا بھی ہوگی۔ یاسمین کو دوپہر میں پڑوس کے برتن مانجھنے مت بھیجئے گا۔ منو کو دھوپ میں مت جانے دیجیے گا۔ پچھلی بار وہ املی کے پیڑ......''

''دونوں بچوں کا خیال رکھیے گا۔ میں یہاں سے ہر مہینے تنخواہ بھیجتا ہوں تو چھوٹے بھائی بہنوں کو برتن مانجھنے کی کیا ضرورت ہے ایسا لکھ دیا یہ۔'' میم صاحب کی نظریں خط پر تھیں۔

''جی ہاں......میں فجر کی نماز پڑھتا ہوں اور عشا کی نماز جیسا کہ دادا نے بتایا تھا خوب رات گئے پڑھتا ہوں۔''

''میں پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہوں۔ ایسا لکھ دیا ہے۔ وہ والے ٹائمنگ لکھواؤ گے تو سوچیں گے کہ صبح 5 بجے سے رات 12 بجے تم کام کرتے ہو۔ اس کی اطلاع دینے کی ضرورت ہے؟''

''جی ہاں، کھانے کے بارے میں آپ نے پوچھا تھا تو......''

''کھانا میں تین ٹائم کھاتا ہوں۔ صبح ناشتہ کرتا ہوں۔ دوپہر کو لنچ اور رات کو ڈنر، ایسا لکھ دیا ہے۔ بابا بے بی کا بچا ہوا کھانا وہی کھانا تو ہوتا ہے۔ جو ہم کھاتے ہیں ہم لوگ ان کے اور تمہارے کھانے میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔''

''جی ہاں! منو تو اب خوب بڑا ہو گیا ہوگا۔ اسکول جاتا ہوگا۔ اس کے پاس رنگین کتابیں ہیں یا نہیں۔ یاسمین مدرسے میں مولوی صاحب سے پڑھنے جاتی ہے کہ نہیں۔''

''امید ہے کہ دونوں بھائی بہن دل لگا کر پڑھتے ہوں گے۔ ایسا لکھ دیا۔ سیدھے سیدھے انداز میں لکھوایا کرو۔ گاؤں میں رنگین کتابیں کہاں سے آئیں گے۔ سوچ سمجھ کر لکھاؤ۔''

''جی ہاں میم صاحب اور صاحب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ہر دم ان کی زبان پر میرا نام رہتا ہے۔''

''صاحب اور میم صاحب مجھے اپنے بچوں کی طرح چاہتے ہیں۔ وہی کھلاتے پلاتے ہیں، جو اپنے بچوں کو۔ ایسا لکھ دیا۔ ہر دم ہماری زبان پر تمہارا نام رہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے، ہم تم کو ہر دم کام کے لیے حکم دیتے رہتے ہیں۔ تمہیں بالکل عقل نہیں ہے۔''

''جی ہاں! آج یہاں بہت تیز بارش ہے......''

''یہ تم پہلے ہی لکھا چکے ہو۔ کچھ اور لکھانا ہے؟''

''جی ہاں۔ منّو سے کہیے گا، میں اس کے لیے رنگین کتابیں اور یاسمین کے لیے جوتے موزے لے کر آؤں گا۔''

''یہ سب لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم لوگ پارسل سے بھیج دیں گے۔ پچھلی بار نہیں بھیجے تھے کیا جب بابا بے بی کے چھوٹے ہو گئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''اور کچھ لکھواؤ گے؟ جلدی کرو۔''

''جی ہاں۔ دادا کی مزار پر سلام اور فاتحہ، دادی کو سلام، مسجد کے امام صاحب کو سلام اور موذن صاحب سے کہنا میں ان کے لیے حج والا رومال لے کر آؤں گا۔ نہیں پارسل سے بھیج دوں گا۔''

''شاباش۔ یہ ویسا کا ویسا لکھ دیا ہے اور کچھ؟'' میم صاحب اب تھک گئی تھیں۔

''جی ہاں۔ فقط آپ کا تابع دار بیٹا محمد سلیم صدیقی۔''

''ہاں۔ ہاں۔ یہ بھی لکھ دوں گی۔ باتھ روم سے صاحب باہر آ گئے ہیں۔ جلدی سے چائے

بناؤ۔دو پیالی بنانا۔ہوا بہت سرد ہوگئی ہے۔ٹیبل پر لگانا۔''

چائے لے کر جب وہ ٹیبل پر پہنچا تو دونوں بیٹھے ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔

''دیکھ رہے ہیں آپ، ٹی وی پر سلائڈ آ رہی ہے۔آج عرب ساگر میں ہوا کا دباؤ کم ہونے کے کارن طوفان آ سکتا ہے۔یہ طوفان بیچ رات میں آئے گا۔''

''ارے''! صاحب نے سر اٹھا کر ٹی وی اسکرین پر دیکھا۔

''دیکھو آج بابا لوگوں کو نیچے کھلانے مت لے جانا۔طوفان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔یہاں کا طوفان بہت سخت ہو جاتا ہے۔آج سے پانچ سال پہلے اتنا زبردست طوفان آیا تھا کہ گھر کی ساری کھڑکیاں ٹوٹ گئی تھیں۔پورے گھر میں جل تھل ہو گیا تھا۔جانے کتنی بلڈنگیں گری تھیں۔معلوم نہیں کتنے آدمی مارے گئے تھے۔بہت تباہی مچی تھی۔سونے کے لیے کوئی سوکھی جگہ نہیں بچی تھی۔ڈائننگ ٹیبل الٹ گئی تھی۔گیس کا چولہا پلٹ گیا تھا۔پھر بعد میں کاکروچوں اور مچھروں سے مہینے بھر ہم لوگ لڑتے رہے تھے۔پورے گھر کا روٹین مہینے بھر ڈسٹرب رہا تھا۔''

''ڈسٹرب رہا تھا۔'' وہ خود سے بولا۔

بابا بے بی کا شام کا اوولٹین ملے دودھ کا گلاس لے کر جب وہ ان کے پاس کمرے کی طرف جا رہا تھا تو اسے خیال آیا کہ آج اسے اس گھر میں چار سال ہو گئے ہیں۔چار سال ہو گئے۔وہ دھیمے سے بڑبڑایا۔

بابا بے بی نے جگانے پر اسے خوب جھنجھوڑا۔اس کے ہاتھ سے دودھ کے گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچے۔بڑی مشکل سے منا پایا۔وہ دونوں کو چار سال پرانی کہانی سنانے لگا۔ایک بھالو تھا اور ایک بندر تھا......

اسے کوئی کام کرتے وقت سوچنا نہیں پڑتا تھا۔گھر کا روٹین کس طرح چلانا چاہیے، وہ ان چار برسوں میں جان چکا تھا۔الارم کی آواز پر اٹھنا، وضو کر کے نماز پڑھنا، رات کے دھوئے کپڑے جو سوکھ چکے ہوتے تھے۔اتار کر تہہ کر کے استری والے کمرے میں لا کر استری کرنا۔استری کر کے دو پیالی چائے بنا کر صاحب میم صاحب کے کمرے پر تین بار دستک دینا، وہیں ٹیبل پر چائے رکھ کر بچوں کو اٹھانا انھیں اسکول کے لیے تیار کرنا اور پھر دن بھر اسی طرح کے کام......بغیر کسی فرق، بغیر کسی رکاوٹ کے مسلسل، مستقل......
دوپہر کو بابا بے بی کے آنے سے پہلے کھانا......

''ادھر آؤ۔'' میم صاحب نے آواز دی۔

وہ بچوں کے پاس سے خالی گلاس اٹھالایا۔

''تم اس دن بچوں کو اپنے دادا کی بتائی ہوئی باتیں سنا رہے تھے؟''

''اب نہیں سناؤں گا۔ اس دن غلطی ہوگئی تھی کہ ان کے ہوم ورک کے ٹائم میں ان کو وہ باتیں بتانا پڑیں۔ اصل میں وہ ہوم ورک نہیں کر پا رہے تھے۔ اس لیے بہلانے پھسلانے کے لیے کہانی کی طرح دادا کی باتیں سنا رہا تھا۔''

''نہیں۔ تم بتاؤ کہ اس میں شاید تم نے طوفان اور بارش اور بجلی سے بچنے کی کسی دعا کا ذکر کیا تھا۔ ذرا ٹھیک سے یاد کر کے بتاؤ۔''

سلیم نے کھڑکی کے باہر ہوا کا اراٹا اور سمندر کا شور سنا اور سمجھ گیا۔ وہ تفصیل سے بتانے لگا۔ اس بار اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

''رات کو جب طوفان آتا ہوا لگے۔ آسمان پر بجلی کڑکے، بارش بہت تیز ہو تو سب سے پہلے وضو کر کے عشا کی نماز پڑھ لیں پھر درودِ غوثیہ سات بار، پھر قل شریف ۵ بار، پھر الحمد شریف ۷ بار، پھر درود شریف ۷، بار، یہ سب پڑھ کر فاتحہ دیں کہ اس کا ثواب حضور غوث پاک کی روح کو ملے اور پھر کہیں کہ اے حضور غوث پاکؒ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں طوفان، بارش اور بجلی سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین، ثم آمین۔''

''ٹھیک ہے۔ تم عشا کے بعد یہ پورا وظیفہ ختم کرنا اور دعا مانگنا کہ طوفان ٹل جائے سمجھے؟''

''جی اچھا۔''

میم صاحب نے صاحب کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

باہر کوئی درخت ٹوٹ کر گرا۔ میم صاحب اچھل کر کھڑی ہوگئیں۔ صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔ وہ کھڑکی کی طرف بڑھے۔

''کھڑکی مت کھولیے گا۔ بجلی چمک رہی ہے۔ پانی بھی آسکتا ہے۔ بہت تیز بوچھار ہے۔ میاں بیوی نے محسوس کیا کہ کھڑکیوں کے باہر عمارتوں سے پرے، سڑک کے ادھر دور دور تک پھیلے طوفانی سمندر

میں لہروں کا شور اتنا تیز ہے کہ کھڑکیاں کھول دیں تو بادل کی طرح گرجتا ہوا سمندر کمرے کے اندر گھس آئے گا۔'' میم صاحب جھرجھری سی لی۔

''طوفان آجائے تو ہر چیز الٹ پلٹ ہو جاتی ہے۔ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔''

وہ بڑبڑائیں۔

''درہم برہم''۔ اس نے روز کی طرح گلاس سنک میں رکھے اور یہ جملہ دہرایا۔''درہم برہم۔ درہم برہم۔''

''چلو تم نماز کی تیاری کرو۔ تمھیں وظیفہ بھی پڑھنا ہے۔ ہم دونوں دیکھیں گے کہ تم کچھ بھول نہ جاؤ۔'' میم صاحب نے آواز دی۔

اس نے وضو کیا۔ میلی بوسیدہ دیہاتی جانماز اٹھائی، عشاء کے فرض، وتر اور سنتیں ختم کیں اور بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے لگا۔

باہر شور بہت تیز ہو گیا تھا۔ اس شور میں وقفے وقفے سے انسانی چیخ پکار بھی شامل ہو جاتی تھی۔ تڑپ تڑپ کر بڑھتی ہوئی موجوں کی آواز بہت مہیب تھی۔

بجلی کے چمک دار لہریے کھڑکی کے پردوں کے اندر سے بھی واضح نظر آرہے تھے۔ کسی بھی لمحے طوفان تیز ہو سکتا تھا۔ اچانک بجلی چلی گئی۔

''اوہ گاڈ اب کیا ہوگا۔'' میم صاحب گھبرائیں۔

صاحب نے بڑی موم بتی جلا کر جانماز کے پاس رکھ دی۔ وہ ہل ہل کر بلند آواز میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ کمرے میں موم بتی کی زرد روشنی میں جانماز پر بیٹھے اس کے وجود کا لمبا چوڑا سایہ سامنے دیوار پر ہل رہا تھا۔ اب اس نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ فاتحہ ختم کیا۔ اچانک وہ رک گیا۔ یہ دعا کا وقت تھا۔ وہ دیر تک رکا رہا۔ اب وہ بالکل خاموش تھا۔ سامنے کی دیوار پر اس کے کمزور ہاتھوں کا ساکت عکس، بڑے بڑے ہیولوں کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ دیر تک اٹھے رہے مگر ہونٹ مضبوطی سے بھنچے رہے۔

کن انکھیوں سے دونوں کو دیکھ کر اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جانماز کا کونا الٹ دیا۔ باہر بہت زور سے بجلی کڑکی، تیز ہوا چلی، کئی درخت ایک ساتھ ٹوٹے اور بادل بہت زور سے گرجا۔

صاحب اور میم صاحب نے گھبرا کر پوچھا۔''دعا پڑھ لی؟''

''ہاں''۔اس نے سر جھکا کر جواب دیا اور دل ہی دل میں خوب خوش ہوا کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوسکی کہ میں نے کیا کیا۔

''درہم برہم۔درہم برہم۔''اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔

''کیا دعا مانگی۔''وہ اس کے چہرے اور دیوار پر اس کے سائے کو گھور رہے تھے۔

''دادا نے منع کیا تھا۔دعا کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔''اس نے ویسے ہی سر جھکائے جھکائے جواب دیا اور کھڑکی کے باہر مسلسل بڑھتے ہوئے طوفان کی ہیبت ناک آوازوں کو سنتے ہوئے سلیقے کے ساتھ جانماز تہہ کرنے لگا۔

I' لغت

1) الفاظ

روٹین = (Routine) معمول کے مطابق

رساں = نرمی، آہستگی

ہیولا = خاکہ

مہیب = خوف ناک، ڈراؤنا، بھیانک

لہریے = ٹیڑی میڑھی لکیر

2) مرکبات:

درہم برہم = اُلٹ پلٹ ہونا، گڑبڑ ہونا

خوش دلی = شادمانی، بشاشی، خوشی سے

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

۱) روٹی کو توے پر ڈال کر سلیم نے کھڑکی کے باہر کیا دیکھا؟

۲) میم صاحب نے سلیم سے بچوں کو کیا سکھانے کے لیے کہا؟

۳) اسکول سے واپسی کے بعد بچوں نے کس بات کی ضد کی؟

۴)	ٹیلی ویژن پر کونسی سلائیڈ دکھائی جا رہی تھی؟
۵)	نماز و دعا کے بعد سلیم دل ہی دل میں کونسے الفاظ دہرا رہا تھا؟
۶)	صاحب کے دریافت کرنے پر کہ تم نے کیا دعا مانگی، سلیم نے کیا جواب دیا؟

2)	**ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔**

۱)	فروٹ کاٹتے ہوئے ہاتھ کے زخمی ہونے پر میم صاحب نے سلیم کو کیا ہدایت دی؟
۲)	صاحب نے سنگل اور ڈبل 'یس' والے سلام میں کیا فرق بتایا؟
۳)	سلیم نے خط کے آخر میں سلام و دعا کے کونسے جملے لکھوائے؟
۴)	سلیم نے بچوں کو اپنے دادا کی بتائی ہوئی باتیں کیوں سنائی تھیں؟
۵)	میم صاحب نے صاحب کو کھڑکی کھولنے سے کیوں منع کیا؟

3)	**ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔**

۱)	سلیم نے خط میں یاسمین اور منّو کے تعلق سے کیا لکھوانا چاہا اور میم صاحب نے کیا لکھا؟
۲)	سلیم نے طوفان، بارش اور بجلی سے بچنے کی کونسی دعائیں بتائیں؟
۳)	صاحب نے موم بتی جلا کر کہاں رکھ دی اور کیا دیکھا؟

4)	**ان جملوں کی متن کے حوالے سے تشریح کیجیے۔**

۱)	''بارش آنے والی ہے۔ کپڑے اٹھاؤ''
۲)	''جیسا سلام ہو، محبت بھرا ہو تو ڈبل 'ایس' ورنہ سنگل 'ایس' سے کام چل جائے گا''
۳)	''دادا نے منع کیا تھا، دعا کسی کو نہیں بتاتے''

5)	ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

رساں	مہیب	لگاوٹ	درہم برہم	خوش دلی

III	**ان کتابوں کا مطالعہ بھی کیجیے۔**

۱)	اردو کے تیرہ افسانے	:	مرتبہ	:	ڈاکٹر اطہر پرویز
۲)	ہمارے پسندیدہ افسانے	:	مرتبہ	:	ڈاکٹر اطہر پرویز

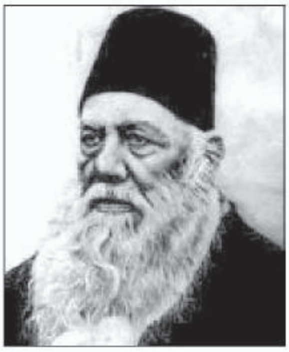

1817-1898

بحث وتکرار

سرسید احمد خان

: تخلیق کاراورتخلیق :

سرسید احمد خان دھلی میں پیدا ھوئے۔ تعلیم و تربیت ان کی والدہ کے زیر سرپرستی ھوئی۔ عربی، فارسی، ریاضی اور دینیات کی تعلیم ختم کرنے کے بعد عدالت صدرامینی دھلی کے سررشتہ دار مقررھوئے۔ پھر نائب منشی اور منصف کے عھدوں پر فائز ھوئے۔ دھلی کے صدر امین کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ 1857کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو مسلم معاشرے کی اصلاح اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے وقف کردیا۔ انھیں یقین تھا کہ مسلمانوں کی ابتری اورجھالت کو صرف مغربی تعلیم کے ذریعے ھی دور کیاجاسکتا ھے۔ اسی مقصد کے تحت انھوں نے مختلف مقامات پر اسکول کھولے، ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی اوررسالہ 'تھذیب الاخلاق' جاری کیا۔

سرسید کے مضامین عموماً اخلاق و کردار، اصلاحِ معاشرہ اور مذھب کا احاطہ کرتے ھیں۔انھوں نے اردو میں علمی نثر کے ساتھ ساتھ سادہ اور عام فھم طرزِ اظھار کو فروغ دیا۔ اسی وجہ سے انھیں جدید اردو نثر کا بانی کھا جاتا ھے۔

سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ 1877میں اینگلو انڈین اسکول کا قیام

ھے، جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشھور ھے۔

سرسید کی لکھی ھوئی کتابیں، آثار الصنادید، اسباب بغاوت ھند اور تاریخ بجنور کے علاوہ تھذیب الاخلاق کے لیے لکھے گئے درجنوں مضامین اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ھیں۔

زیرِ نظر مضمون میں سرسید احمد خان نے مھذب اور غیر مھذب اندازِ گفتگو میں پائے جانے والے فرق کو واضح کیا ھے۔ غیر مھذب لوگوں کی مجلس کو کتوں کی مجلس کے مماثل قراردیتے ھوئے سرسید احمد خان نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ھے کہ جھاں فضول بحث وتکرار سے پرھیز ضروری ھے، وھیں دورانِ گفتگو ھمیں تھذیب و شائستگی اور نرمی و سادگی کو بھی ھاتھ سے جانے نھیں دینا چاھیے۔

جب کتّے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کرایک دوسرے کوبُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے، پھر تھوڑا ساجبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چِر کر کانوں سے جالگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ داڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ منھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں۔ اس کا کان اس کے منھ میں اور اس کا ٹینٹوا اس کے جبڑے میں۔ اس نے اس کو کاٹا اور اس نے اس کو پچھاڑ کر بھنبھوڑا۔ جو کمزور ہوا دم دبا کر بھاگ نکلا۔

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کرآپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات بولتا ہے۔ دوسرا بولتا ہے۔ واہ یوں نہیں یوں ہے وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو۔ وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔ دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رخ بدل جاتا ہے آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل

پڑتے ہیں۔ تھوک اڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتی ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ، ناک، بھوں، ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا، ہاتھ پھیلا اس کی گردن اس کے ہاتھ میں اور اس کی داڑھی اس کی مٹھی میں لپا دگی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پلٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرش ہو کر رہ جاتی ہے تو کہیں تو تکار تک نوبت آجاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گزر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔ انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کو پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب اور شائستگی محبت اور دوستی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔

پس اے میرے عزیز ہم وطنو! جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے جانے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ، لہجہ، آواز، وضع، لفظ اس طرح رکھو، جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ کا استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا، یا شاید مجھے دھوکا ہوا یا شاید میں غلط سمجھا۔ گو یا بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا الٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اس پر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اس دو تین دفعہ کی الٹ پھیر سے تمہارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیوں کہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسے کہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

جب کہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو، کیوں کہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے۔ جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگتی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اس کو ختم کرو اور آپس میں، ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن اس بات پر غور کریں کہ ان کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

I لغت

1) الفاظ

تو تکار = گالی گلوچ

ٹینٹوا = گلا، حلق

بھنبھوڑنا = درندوں کا دانتوں سے کاٹنا، پھاڑنا

تردید = رد کرنا، جواب دینا

غرّش = غصہ، دھمکی، تکرار

عنیف = سخت مزاج، بے رحم

معذرت = معافی

کدورت = رنجش

2) محاورات:

تیوری چڑھانا = غصہ ہونا/ ماتھے پر بل پڑنا

باچھیں چرنا = باچھیں پھیلنا

لپّا دگی ہونا = مار پیٹ ہونا

II مشقیں:

ا) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

ا) جب کتے آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو پہلے کیا کرتے ہیں؟

۲) تہذیب میں ترقی سے کیا ہوتا ہے؟

۳) اختلافِ رائے کو پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے؟

۴) مباحثہ اور تکرار میں کس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے؟

۵) تردیدی گفتگو میں ہمیشہ کونسا لفظ استعمال کرنا بہتر ہے؟

۶) جھگڑے کو کس طرح کی باتیں کہہ کر ختم کرنا چاہیے؟

2) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) انسان کو کتّوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کیوں کرنا چاہیے؟

۲) جھگڑا زیادہ دنوں تک رہنے سے کیا ہوتا ہے؟

۳) تردیدی گفتگو کیسے کی جانی چاہیے؟

3) ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) مضمون نگار نے کتّوں کی کونسی حرکتوں کا ذکر کیا ہے؟

۲) مضمون نگار نے نامہذب آدمیوں کی مجلس کا منظر کیسے کھینچا ہے؟

4) متن کے حوالے سے ان جملوں کی تشریح کیجیے۔

۱) ''واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو۔''

۲) ''مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔''

۳) ''گو یا بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔''

5) ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

نامہذب   خوش اخلاقی   بحث و مباحثہ

برخلاف   دوبدو

III ان کتابوں کو بھی پڑھیے۔

۱) انتخابِ مضامین سرسید : مرتبہ : آل احمد سرور

۲) منتخب مضامین سرسید : مرتبہ : عتیق احمد صدیقی

ہمارے خانساماں

مشتاق احمد یوسفی

: تخلیق کار اور تخلیق :

مشتاق احمدیوسفی نے 4/ستمبر1923 کو ٹونک، راجستھان کے ایک علمی و ادبی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ راجپوتانہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے بی اے، ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات آگرہ یونیورسٹی سے پاس کیے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ان کا خاندان پاکستان منتقل ہوگیا۔ 1950میں پاکستان کے مسلم کمرشیل بینک میں جنرل مینجر کے عہدے سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ بعد ازاں الائیڈ بینک، یونائٹیڈ بینک کے علاوہ پاکستان بینک کاؤنسل کے سربراہ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

مشتاق احمد یوسفی لفظ، خیال اور واقعے کے امتزاج سے مزاح پیدا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ پُرمزاح تراکیب، پھڑکا دینے والی تحریفات اور بے مثال جملوں سے ان کی تحریروں میں جہاں پھلجھڑیاں پائی جاتی ہیں، وہیں آنسو بھی ہوتے ہیں۔ یعنی ان کی تحریریں قاری کو ہنساتی ہیں اور ان کا طنز اسے آنسو بہانے پر بھی مجبورکرتا ہے۔

تاحال ان کی چار کتابیں 'چراغ تلے'، 'خاکم بدہن'، 'زرگذشت' اور 'آبِ

گم" منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ چار کتابیں اردو کے سارے مزاحیہ ادب پر بھاری تصور کی جاتی ہیں۔ چنانچہ بیش تر ناقدینِ ادب نے طنز و مزاح کے باب میں اس عہد کو یوسفی کے عہد اور اس صدی کو یوسفی کی صدی سے تعبیر کیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کو پاکستان کے اعلیٰ ترین اعزازات، ستارۂ امتیاز، ہلال امتیاز کے علاوہ آدم جی ایوارڈ سے نوازا جاچکا ہے۔

زیرِ نظر مضمون مشتاق احمد یوسفی کی کتاب 'چراغ تلے' میں شامل مضمون 'جنون لطیفہ' کی تلخیص ہے۔ جس میں انھوں نے کھانے کے شوقین، سماج کے اس اعلیٰ طبقے کے افراد کو طنز کا نشانہ بنایا ہے، جو ہمیشہ اچھے خانساماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جن کی مجبوری خانساماؤں کے جائز و ناجائز مطالبات پر اپنا سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ان کے ناز نخروں کو برداشت کرنا ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ مضمون، مضمون نگار کے ہاں ملازم، مختلف خانساماؤں کی دل چسپ اور پُر مزاح حرکات و واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔

بڑا مبارک ہوتا ہے وہ دن، جب کوئی نیا خانساماں گھر میں آئے اور اس سے بھی زیادہ مبارک وہ دن جب وہ چلا جائے! چوں کہ ایسے مبارک دن سال میں کئی بار آتے ہیں اور تلخیِ کام و دہن کی آزمائش کر کے گزر جاتے ہیں، اس لیے اطمینان کا سانس لینا، بقول شاعر، صرف دو ہی موقعوں پر نصیب ہوتا ہے:

اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بدذائقہ کھانا پکانے کا ہنر صرف تعلیم یافتہ بیگمات کو آتا ہے۔ لیکن ہم اعداد و شمار سے ثابت کر سکتے ہیں کہ پیشہ ور خانساماں اس فن میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسے ہنسنا اور کھانا آتا ہے۔ اسی وجہ سے پچھلے سو برس سے یہ فن کوئی ترقی نہیں کر سکے۔ ایک دن ہم نے اپنے دوست مرزا عبدالودود بیگ سے شکایتاً کہا کہ اب وہ خانساماں جو ستر

قسم کے پلاؤ پکا سکتے تھے، من حیث الجماعت رفتہ رفتہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ جواب میں انھوں نے بالکل الٹی بات کہی۔

کہنے لگے ''خانساماں وانساماں غائب نہیں ہو رہے، بلکہ غائب ہو رہا ہے، وہ ستّر قسم کے پلاؤ کھانے والا طبقہ جو بٹلر اور خانساماں رکھتا تھا اور اڑد کی دال بھی ڈنر جیکٹ پہن کر کھاتا تھا۔ اب اس وضع دار طبقے کے افراد باورچی نوکر رکھنے کے بجائے نکاحِ ثانی کر لیتے ہیں۔ اس لیے کہ گیا گزرا باورچی بھی روٹی کپڑا اور تنخواہ مانگتا ہے، جب کہ منکوحہ فقط روٹی کپڑے پر ہی راضی ہو جاتی ہے۔ بلکہ اکثر وبیش تر کھانے اور پکانے کے برتن بھی ساتھ لاتی ہے۔

مقصد سردست ان خانساماؤں کا تعارف کرانا ہے جن کی دامے درمے خدمت کرنے کا شرف ہمیں حاصل ہو چکا ہے۔ اگر ہمارے لہجے میں کہیں تلخی جھلک آئے تو اسے تلخیِ کام و دہن پر محمول کرتے ہوئے، خانساماؤں کو معاف فرمائیں۔

خانساماں سے عہد وفا استوار کرنے اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنانے کا ڈھنگ کوئی مرزا عبدالودود بیگ سے سیکھے۔ یوں تو ان کی صورت ہی ایسی ہے کہ ہر کس و ناکس کا بے اختیار نصیحت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن ایک دن ہم نے دیکھا کہ ان کا دیرینہ باورچی بھی ان سے ابے تبے کر کے باتیں کر رہا ہے۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی، کیوں کہ شرفا میں یہ اندازِ گفتگو محض دوستوں کے ساتھ روا ہے۔ جہلا سے ہمیشہ سنجیدہ گفتگو کی جاتی ہے۔ ہم نے مرزا کی توجہ اس امر کی طرف دلائی تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے جان بوجھ کر اس کو اتنا منہ زور اور بدتمیز کر دیا ہے کہ اب میرے گھر کے سوا اس کی کہیں اور گزر نہیں ہو سکتی۔

کچھ دن ہوئے ایک مڈل فیل خانساماں ملازمت کی تلاش میں آنکلا اور آتے ہی ہمارا نام اور پیشہ پوچھا۔ پھر سابق خانساماؤں کے پتے دریافت کیے۔ نیز یہ کہ آخری خانساماں نے ملازمت کیوں چھوڑی؟ باتوں باتوں میں انھوں نے یہ عندیہ بھی لینے کی کوشش کی کہ ہم ہفتے میں کتنی دفعہ باہر مدعو ہوتے ہیں اور باورچی خانے میں چینی کے برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز سے ہمارے اعصاب اور اخلاق پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ ایک شرط انھوں نے یہ بھی لگائی کہ اگر آپ گرمیوں کی چھٹیوں میں پہاڑ پر جائیں گے تو پہلے 'عوضی مالک' پیش کرنا پڑے گا۔

کافی ردوکد کے بعد ہمیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ہم میں وہی خوبیاں تلاش کر رہے ہیں جو ہم ان میں ڈھونڈ رہے تھے۔ یہ آنکھ مچولی ختم ہوئی اور کام کے اوقات کا سوال آیا تو ہم نے کہا کہ اصولاً ہمیں محنتی آدمی پسند ہیں۔خود بیگم صاحبہ پانچ بجے سے رات کے دس بجے تک گھر کے کام کاج میں جٹی رہتی ہیں۔ کہنے لگے۔''صاحب! ان کی بات چھوڑ یئے۔ وہ گھر کی مالک ہیں۔ میں تو نوکر ہوں!'' ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ برتن نہیں مانجھوں گا۔ جھاڑو نہیں دوں گا۔ ایش ٹرے صاف نہیں کروں گا۔ میز نہیں لگاؤں گا۔ دعوتوں میں ہاتھ نہیں دھلاؤں گا۔

ہم نے گھبرا کر پوچھا،''پھر کیا کرو گے؟''

''یہ تو آپ بتایئے۔کام آپ کو لینا ہے۔ میں تو تابع دار ہوں۔''

جب سب باتیں حسب منشاو ضرورت (ضرورت ہماری، منشا ان کی) طے ہوگئیں تو ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ بھئی! سودا سلف لانے کے لیے فی الحال کوئی علاحدہ نوکر نہیں ہے۔ اس لیے کچھ دن تمھیں سودا بھی لانا پڑے گا۔ تنخواہ طے کرلو۔

فرمایا۔''جناب! تنخواہ کی فکر نہ کیجیے۔ پڑھا لکھا آدمی ہوں۔کم تنخواہ میں بھی خوش رہوں گا۔''

''پھر بھی؟''

کہنے لگے۔''پچھتر روپے ماہوار ہوگی۔لیکن اگر سودا بھی مجھی کو لانا پڑا تو چالیس روپے ہوگی۔''

ان کے بعد ایک ڈھنگ کا خانساماں آیا مگر بے حد دماغ دار معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے اس کا پانی اتارنے کی غرض سے پوچھا۔ مغلئی اور انگریزی کھانے آتے ہیں؟

''ہر قسم کا کھانا پکا سکتا ہوں۔حضور کا کس علاقے سے تعلق تھا؟''

ہم نے صحیح صحیح بتا دیا۔ جھوم ہی تو گئے۔ کہنے لگے۔''میں بھی ایک سال ادھر کاٹ چکا ہوں۔ وہاں کے باجرے کی کھچڑی کی تو دور دور دھوم ہے۔''

مزید جرح کی ہم میں تاب نہ تھی۔ لہٰذا انھوں نے اپنے آپ کو ہمارے ہاں ملازم رکھ لیا۔ دوسرے دن پڈنگ بناتے ہوئے انھوں نے یہ انکشاف کیا کہ میں نے بارہ سال انگریزوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔اس لیے اکڑوں بیٹھ کر چولھا نہیں جھونکوں گا۔ مجبوراً کھڑے ہو کر پکانے کا چولھا بنوایا۔

ان کے بعد جو خانساماں آیا، اس نے کہا کہ میں چپاتیاں بیٹھ کر پکاؤں گا۔ مگر برادے کی انگیٹھی پر چنانچہ لوہے کی انگیٹھی بنوائی۔ تیسرے کے لیے چکنی مٹی کا چولھا بنوانا پڑا۔ چوتھے کے مطالبے پر مٹی کے تیل سے جلنے والا چولھا خریدا اور پانچواں خانساماں اتنے سارے چولھے دیکھ کر ہی بھاگ گیا۔

اس ظالم کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ البتہ صورت اور خدو خال اب تک یاد ہیں۔ ابتدائے ملازمت سے ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتا، بلکہ پابندی سے ملباری ہوٹل میں اکڑوں بیٹھ کر دو پیسے کی چٹ پٹی دال اور ایک آنے کی تنوری روٹی کھاتا ہے۔

آخر ایک دن ہم سے نہ رہا گیا اور ہم نے ذرا سختی سے ٹوکا کہ "گھر کا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟"

تنک کر بولا "صاحب! ہاتھ بیچا ہے، زبان نہیں بیچی!"

اس نے نہایت مختصر مگر غیر مبہم الفاظ میں یہ واضح کر دیا کہ اگر اسے اپنے ہاتھ کا پکا کھانا کھانے پر مجبور کیا گیا تو وہ فوراً استعفیٰ دے دے گا۔ اس کے رویے سے ہمیں بھی شبہ ہونے لگا کہ وہ واقعی خراب کھانا پکاتا ہے۔ نیز ہم اس منطقی نتیجے پر پہنچے کہ دوزخ میں گنہگار عورتوں کو ان کے اپنے پکائے ہوئے سالن زبردستی کھلائے جائیں گے۔

گزشتہ سال ہمارے حال پر رحم کھا کر ایک کرم فرما نے ایک تجربہ کار خانساماں بھیجا۔ جو ہر علاقے کے کھانے پکانا جانتا تھا۔ ہم نے کہا۔ "بھئی اور تو سب ٹھیک ہے مگر تم سات مہینے میں دس ملازمتیں چھوڑ چکے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟"

کہنے لگے۔ "صاحب! آج کل وفادار مالک کہاں ملتا ہے؟"

خانساماؤں کا ذکر چل نکلا تو اس قوی ہیکل خانساماں کا قصہ بھی سن لیجیے جس کو ہم سب آغا کہا کرتے تھے (آغا اس لیے کہا کرتے تھے کہ وہ سچ مچ آغا تھا) ان کا خیال آتے ہی معدے میں مہتابیاں سی جل اٹھتی ہیں۔ تادم وداع ان کے کھانا پکانے، اور کھلانے کا انداز وہی رہا جو ملازمت سے پہلے پتنگ بیچنے کا ہوتا تھا۔ ......یعنی ڈرا دھمکا کر اس کی خوبیاں منوا لیتے تھے۔

وہ کافی تابع دار تھے۔ تابع دار سے ہماری مراد یہ ہے کہ کبھی وہ پوچھتے کہ چائے لاؤں؟ اور ہم تکلفاً کہتے کہ جی چاہے تو لے آؤ ورنہ نہیں۔ تو کبھی واقعی لے آتے اور کبھی نہیں بھی لاتے تھے۔ جس دن

سے انھوں نے باورچی خانہ سنبھالا، گھر میں حکیم ڈاکٹروں کی ریل پیل ہونے لگی۔ یوں بھی ان کا پکایا ہوا کھانا دیکھ کر سر (اپنا) پیٹنے کو جی چاہتا تھا۔ اپنا اس لیے کہ حالاں کہ ہم سب ہی ان کے کھانوں سے عاجز تھے لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کو کیوں کر پُرامن طریق سے رخصت کیا جائے۔ ان کو نوکر رکھنا ایسا ہی ثابت ہوا جیسے کوئی شیر ببر پر سوار تو ہو جائے لیکن اترنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔

ایک دن ہم اسی ادھیڑ بن میں لیٹے ہوئے گرم پانی کی بوتل سے پیٹ سینک رہے تھے اور دوا پی پی کر ان کو کوس رہے تھے کہ وہ سر جھکائے آئے اور خلاف معمول ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ''خو! صاحب! تم روز روز بیمار اوتا اے، اس سے امرا قبیلہ میں بڑا رسوائی، خو، خانہ خراب اوتا اے، (صاحب! تم بار بار بیمار ہوتے ہو۔ اس سے ہمارے قبیلے میں ہماری رسوائی ہوتی ہے اور ہمارا خانہ خراب ہوتا ہے) اس کے بعد انھوں نے کہا سنا معاف کرایا اور بغیر تنخواہ لیے چل دیے۔

ایسی ہی ایک اور دعوت کا ذکر ہے جس میں چند احباب اور افسران بالا دست مدعو تھے۔ نئے خانساماں نے جو قورمہ پکایا، اس میں شوربے کا یہ عالم تھا کہ ناک پکڑ کے غوطے لگائیں تو شاید کوئی بوٹی ہاتھ آ جائے۔ اکا دکا کہیں نظر آ بھی جاتی تو کچھ اس طرح کہ:

صاف چھپتی بھی نہیں سامنے آتی بھی نہیں

اور یہ بسا غنیمت تھا کیوں کہ مہمان کے منہ میں پہنچنے کے بعد، غالب کے الفاظ میں یہ کیفیت تھی کہ:

کھینچتا ہے جس قدر اتنی ہی کھنچتی جائے ہے!

دوران ضیافت احباب نے بہ کمال سنجیدگی مشورہ دیا کہ ریفریجریٹر خرید لو۔ روز روز کی جھک جھک سے نجات مل جائے گی۔ بس ایک دن لذیذ کھانا پکوالو، اور ہفتے بھر ٹھاٹ سے کھاؤ اور کھلاؤ۔

قسطوں پر ریفریجریٹر خریدنے کے بعد ہمیں واقعی بڑا فرق محسوس ہوا اور وہ فرق یہ ہے کہ پہلے جو بدمزہ کھانا صرف ایک ہی وقت کھاتے تھے۔ اب اسے ہفتے بھر کھانا پڑتا ہے۔

ہم نے اس عذاب مسلسل کی شکایت کی تو وہی احباب تلقین فرمانے لگے کہ

''جب خرچ کیا ہے صبر بھی کر، اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔''

کل پھر مرزا سے اپنی گوناگوں مشکلات کا ذکر کیا تو کہنے لگے:

''یہ الجھنیں آپ نے اپنے چٹورپن سے خواہ مخواہ پیدا کر رکھی ہیں۔ ورنہ سادہ غذا اور اعلیٰ خیالات سے یہ مسئلہ کبھی کا خود بخود حل ہو گیا ہوتا۔ یہی آئین قدرت ہے اور یہی آزاد تہذیب کی اساس بھی! آپ نے مولوی اسماعیل میرٹھی کا وہ پاکیزہ شعر نہیں پڑھا؟''

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف وذلت کے حلوے سے بہتر

I لغت:

1) الفاظ

خانساماں	=	باورچی
اساس	=	بنیاد، جڑ
تلخی	=	کڑواہٹ
بٹلر	=	خانساماں
عندیہ	=	ارادہ
جرح	=	وہ سوالات جو سچائی معلوم کرنے کے لیے کیے جائیں

2) مرکبات:

بدذائقہ	=	بدمزہ
تادمِ وداع	=	روانگی کے وقت تک
چٹورپن	=	کھانے کا شوق
عوضی مالک	=	مالک کی قائم مقامی
خدوخال	=	چہرہ مہرہ، وضع قطع، رنگ روپ
وضع دار	=	اپنے طور طریقے پر قائم رہنے والا
آئین قدرت	=	قدرت کا قانون

ردوکد	=	بحث وتکرار، کوشش
قوی ہیکل	=	اونچے قد والا، طاقت ور
گونا گوں	=	مختلف، کئی
منہ زور	=	بدزبان
دماغ دار	=	مغرور، خودپسند
تابع دار	=	فرماں بردار
ادھیڑ بن	=	غوروفکر، سوچ بچار

3) محاورے:

ناپید ہونا	=	غائب ہونا، گم ہونا
پانی اتارنا	=	نیچا دکھانا، شرمندہ کرنا
جوتیاں سیدھی کرنا	=	خدمت کرنا
ہاتھ بیچنا	=	نوکر ہونا
عہدِ وفا استوار کرنا	=	وفاداری کے وعدے پر مضبوطی سے قائم رہنا

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

١) مضمون نگار کے لیے مبارک دن کونسا ہوتا ہے؟

٢) بدذائقہ کھانا پکانے کا ہنر کس کو آتا ہے؟

٣) نئے خانساماں نے پچھلی دس ملازمتیں چھوڑنے کی وجہ کیا بتائی؟

٤) وضع دار طبقے کے افراد باورچی رکھنے کے بجائے کیا خریدتے ہیں؟

٥) مضمون نگار کے مطابق دوزخ میں گنہگار عورتوں کو کونسی سزا دی جائے گی؟

٦) ریفریجریٹر خریدنے کے بعد مضمون نگار کی زندگی میں کیا فرق آیا؟

2) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) وضع دار طبقے کے افراد باورچی رکھنے کے بجائے نکاحِ ثانی کیوں کر لیتے ہیں؟

۲) مرزا نے اپنے دیرینہ باورچی کو منہ زور اور بدتمیز کیوں بنایا؟

۳) ڈل فیل خانساماں نے باتوں باتوں میں مضمون نگار سے کونسا عندیہ معلوم کرنے کوشش کی؟

۴) قوی ہیکل خانساماں کا کھانا پکانے اور کھلانے کا انداز کیسا تھا؟

۵) قوی ہیکل خانساماں نے ملازمت چھوڑنے کی وجہ کیا بتائی؟

3) ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) ڈل فیل خانساماں نے ملازمت سے قبل مضمون نگار سے کیا کیا باتیں دریافت کیں؟

۲) مضمون نگار نے نئے خانساماں کے پکائے ہوئے قورمے کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

۳) خانساماؤں کے کہنے پر مضمون نگار نے کون کونسی قسم کے چولھے بنوائے؟

۴) خانساماؤں سے متعلق گوناگوں مشکلات کا ذکر سن کر مرزا نے کیا کہا؟

4) متن کے حوالے سے ان جملوں کی تشریح کیجیے۔

۱) ''ہاتھ بیچا ہے، زبان نہیں بیچی۔''

۲) ''صاحب! آج کل وفادار مالک کہاں ملتے ہیں۔''

۳) ''یہ الجھنیں آپ نے اپنے چٹورپن سے خواہ مخواہ پیدا کر رکھی ہیں۔''

5) ان مرکبات و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

وضع دار	گوناگوں	آئینِ قدرت
ناپید ہونا	پانی اتارنا	

III مشتاق احمد یوسفی کی ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔

۱) چراغ تلے

۲) خاکم بدہن

1928 - 2011

ہفت افلاک سے آگے

اظہار اثر

تخلیق کار اور تخلیق :

اظہار اثر ضلع بجنور کے قصبے کرت پور میں پیدا ہوئے۔ دس گیارہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم میں ان کی دلچسپی بڑھتی گئی اور سائنسی مضامین اور ناولیں لکھنے لگے۔ اظہار اثر نے مضامین لکھے، ناولیں اور کہانیاں بھی لکھیں اور شاعری بھی کی۔ لیکن قابل ذکر بات یہ کے ان کی ہر تحریر، خواہ وہ نظم ہو کہ نثر کا محور سائنس ہی ہے۔

اظہار اثر صحیح معنوں میں سائنس فکشن لکھنے والے پہلے ادیب، سائنس کو شاعری کا موضوع بنانے والے پہلے شاعر اور تقریباً ایک ہزار سے زائد سائنسی و جاسوسی ناولیں، تین سو سے زائد کہانیاں لکھنے والے اردو کے سب سے زیادہ زودنویس قلم کار تھے۔ اظہار اثر کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے لگ بھگ دو سو سائنسی مضامین کے ذریعے اردو قارئین میں سائنسی مزاج پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ سائنس کے مشکل ترین موضوعات کو عام فہم بنانے میں انھیں مہارت حاصل تھی۔اظہار اثر کی کتابوں میں 'لاشریک' (سائنسی موضوعات پر نظمیں) سائنس کیا ہے ؟ (سائنسی مضامین) اور میرے افسانے

(سائنسی کھانیوں کا انتخاب) اھم ھیں۔

اظھار اثر کا زیرِ نظر مضمون خلائی تحقیق کے باب میں انسانی کوششوں کا تعارف نامه ھے۔ جس میں انھوں نے خلائی سفرکی تحقیق کے آغاز اور اس کی عھد به عھد ترقی کی تفصیل پیش کی ھے اور ساتھ ھی اس بات کی جانب بھی اشاره کیا ھے که اس میدان میں ترقی کی یھی رفتار رھتی ھے تو انسان مستقبل قریب میں چاند اور مریخ جیسے سیاروں پر اپنی کالونیاں بسائے گا اور وه نھایت کم خرچ پر دیگر سیاروں کی سیر کا لطف بھی اٹھا سکے گا۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب نے کہا تھا ؛

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لیکن آج کا انسان دعویٰ کرتا ہے ؛

میں تو افلاک سے آگے کا پرندہ ہوں اثرؔ
بالِ جبریل بھی شامل ہے مرے شہپر میں

خلا کی تسخیر کی کہانی تو پرانی ہو چکی ہے، جب 1954 میں سوویت یونین نے اپنا پہلا مصنوعی سیارہ (سیٹیلائٹ) زمین کے گرد پھیلے ہوئے فضائی غلاف کے پار خلا میں بھیجا تھا۔ اس کے بعد گاگارین نام کا پہلا انسان اسی فضائی غلاف یعنی آسمان کو پار کر کے خلا میں زمین کے گولے کے گرد چکر لگا کر واپس آ گیا تھا۔

خلائی تسخیر کی اس پچاس سالہ تاریخ میں بے شمار حادثے بھی پیش آئے ہیں بہت سے خلابازوں نے اپنی جانوں کی قربانیاں بھی دی ہیں۔ ان میں ہم ہندستانیوں کے لیے سب سے المناک حادثہ پہلی فروری 2003 کو پیش آیا جب امریکہ کا خلائی جہاز کولمبیا زمین کے فضائی غلاف میں داخل

ہوتے ہوئے جل کر خاک ہو گیا اور اس میں بیٹھے ہوئے تمام افراد ختم ہو گئے۔ یہ سائنس داں دس بارہ دن خلا میں رہ کر بہت سے سائنسی تجربات کر کے واپس اپنی دنیا کی طرف آ رہے تھے کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔ یوں تو ہر حادثہ المناک ہوتا ہے لیکن ہم ہندوستانیوں کے لیے یہ حادثہ بہت زیادہ دکھ کا سبب اس لیے بنا کہ اسی خلائی جہاز میں کلپنا چاولہ نام کی ایک ہندوستانی لڑکی بھی تھی اور اپنے باقی چھ ساتھیوں کے ساتھ وہ بھی جل کر بھسم ہو گئی۔

اتنے حادثات کے باوجود افلاک کی گہرائیوں تک پہنچنے والے اس پرند یعنی انسان کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ مسلسل خلائی حادثوں کے درمیان وہ اپنے شہپروں کی اڑان کے کرشمے دکھا تا رہا ہے مثلاً سب سے پہلے 30/اپریل 2001 کو ڈینیس ٹیٹو (Dennistitu) نام کے انسان نے تربیت یافتہ خلا باز نہ ہوتے ہوئے بھی سات دن تک خلا کی سیاحت کی، یعنی ٹیٹو پہلا انسان تھا جو خلا میں بطور سیاح تفریح کرنے گیا تھا اور اس سیاحت اور خلائی سفر کے لیے اسے بیس ملین (دو کروڑ) ڈالر روسی خلائی ایجنسی کو دینے پڑے تھے۔ پھر اس کے ایک سال بعد ہی افریقہ کے ایک کھرب پتی شخص مارک شٹل ورتھ نے 2003 میں خلا کی ایک ہفتے کی سیاحت کی۔

بہر حال ان دوشہری (Civilians) خلابازں کی جرأت مندی دیکھ کر ناسا نے بھی کچھ پرائیویٹ کمپنیوں کو خلائی جہاز بنانے کی اجازت دے دی ہے اور یہ بھی اجازت دے دی ہے کہ وہ اپنے خلائی جہازوں سے دولت مند اور سیاحت کے شوقین لوگوں کو خلا میں لے جا سکتے ہیں اور ان کو خلائی اسٹیشن میں رکھ سکتے ہیں، جس کے لیے انھیں ناسا کو کرایہ دینا ہوگا۔ چنانچہ اب دنیا کے کئی ممالک خلائی سیاحت کے لیے خلائی راکٹ بنانے کی تیاریوں میں لگ گئے ہیں۔ ایک جاپانی کمپنی نے تخمینہ لگا کر بتایا ہے کہ خلائی سیاحت کے لیے راستے کھل گئے تو اس بزنس میں دس بلین ڈالر کا ایک سال میں بزنس ہو سکتا ہے، جب کہ ایک بلین ڈالر کا مطلب ہے ایک ہزار ملین ڈالر اور ایک ملین میں دس لاکھ ڈالر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے پرائیوٹ خلائی جہاز بنانے کی پہل رچرڈ برانسن (Richard Branson) نام کے ایک شخص نے کی ہے۔ برطانیہ کے اس دولت مند شخص نے چودہ ملین پاؤنڈ لگا کر امریکہ کی ایک کمپنی موجاوی ایرواسپیس ونیچرز (Mojave Aerospace Ventures) کی

شرکت سے پہلا خلائی جہاز اسپیس شپ ون (خلائی جہاز نمبر 1) کے نام سے بنا کر خلائی سیاحت کی ابتدا کر دی ہے۔

اس طرح ''خلائی جہاز نمبرون'' خلائی سیاحت کی تاریخ کا پہلا جہاز بن گیا، جس کو کسی تربیت یافتہ خلاباز کے بجائے ایک عام ہوائی جہاز اڑانے والے پائلٹ نے اڑایا، جس میں عملے کے آدمی بھی کسی طرح کی خلابازی کی تربیت لیے ہوئے نہیں تھے۔

خلائی جہاز کا پہلا حصہ وھائٹ نائٹ پہلے ہی زمین پر اتر چکا تھا۔

اس پہلی کامیابی کے بعد خلائی سیاحت کرانے والی کمپنیوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور اب دنیا بھر میں کئی کمپنیاں ایسے خلائی جہاز بنانے کی کوششوں میں لگ گئی ہیں جو بار بار خلا میں بھیجے جاسکیں۔ ان جہازوں میں سیاحوں کو معقول معاوضہ لے کر خلا کی سیر کرانے کا بندوبست کیا جائے گا۔ بلکہ بہت سی کمپنیوں نے خلا میں سیاحوں کے ٹھہرنے کے لیے خلائی ہوٹل بنانے کے منصوبے بھی بنانے شروع کر دیے ہیں۔ سائنس دانوں، انجینئروں اور ماہرین کا اندازہ ہے کہ پندرہ سے بیس سال کے اندر خلا میں ہوٹل بن سکتے ہیں۔ اس طرح خلائی سیاحت عام ہو جائے گی۔

یہ پروازیں تین قسم کی ہوں گی۔ پہلی سب سے سستی پرواز پیرابولک (Parabolic) سروس کہلائے گی۔ اس پرواز میں خلائی جہاز، خلا میں گہرائی تک جا کر زمین کا کوئی چکر کاٹے بغیر واپس آ جائے گا۔ یہ پرواز بیضوی شکل میں ہوگی۔ اس سفر میں سیاح صرف نوے منٹ خلا میں رہے گا۔ اس مدت میں وہ زمین کی پوری گولائی نہیں دیکھ پائے گا، البتہ کرۂ زمین کی گولائی کے مختلف حصے دیکھ سکے گا اور تیس سیکنڈ تک بے وزنی کی کیفیت سے لذت اندوز ہو سکے گا۔ اندازہ ہے کہ اس طرح کے مختصر سفر کے لیے سیاح کو تین ہزار ڈالر خرچ کرنے پڑیں گے۔

دوسرے نمبر پر 'سب آربٹل' (Sub Orbital) پرواز ہوگی، جس کے لیے سیاح کو ایک لاکھ ڈالر خرچ کرنے ہوں گے۔ اس سفر میں خلائی جہاز سیاحوں کو زمین کے گرد کئی پورے چکر لگا کر واپس لائے گا۔ اس وقت جو خلائی جہاز زمین کے گرد گھوم رہے ہیں، ان سب کے گھومنے کے راستوں کو (Orbit) (مدار) کہا جاتا ہے۔ نمبر دو کے خلائی جہاز بہت اونچائی پر جا کر اپنا مدار قائم نہیں

کریں گے بلکہ زمین سے اتنی دوری پر اپنا مدار قائم کریں گے کہ سیاح بے وزنی کا لطف بھی لے سکیں اور چاہیں تو اسپیس واک (Space Walk) یعنی خلائی جہاز سے باہر آکر خلا میں چلنے کا بھی لطف اٹھاسکیں۔ اس طرح جو سیاح خلا میں پانچ چھ دن گزارنا چاہیں گے، ان کو ایک لاکھ ڈالر پونڈ خرچ کرنے پڑیں گے۔ یہ رقم امریکی ڈالر سے تقریباً ڈبل ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلا کی سیاحت ایک عام آدمی کے لیے تقریباً ناممکن ہوگی۔ صرف بہت زیادہ دولت مند حضرات ہی اس سے فائدہ اٹھا پائیں گے۔ کچھ دنوں بعد جب خلائی سیاحت عام ہو جائے گی تو بھی ایک بار کے سفر پر کم از کم پچاس ہزار ڈالر خرچ آئے گا۔ ہوسکتا ہے کہ مزید تجربات اور تکنیکی سہولتوں کے بعد یہ خرچ بیس ہزار ڈالر یا صرف دو ہزار ڈالر رہ جائے لیکن ابھی یہ صرف اندازے ہیں۔

رچرڈ براں سن کے سیاحی خلائی جہاز کا نام 'ورجن گیلاک ٹک'' (Virgin Galactic) ہوگا۔ ایسے خلائی جہاز زیریں مدار یا سب آربٹل مداروں پر ہی رہیں گے۔ ایک بار کے سفر میں زیادہ سے زیادہ پانچ مسافروں کا ایک گروپ جاسکے گا۔

زیریں مدار کی اڑانوں میں مسافروں کو اپنے ساتھ خاص قسم کے لباس یا ہیلمٹ لے جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیوں کہ ان کے خلائی جہاز میں ایسے کیبن بنائے جائیں گے، جن میں فضا کے دباؤ کے برابر ہی دباؤ بنایا جائے گا تاکہ مسافر کوئی تکلیف محسوس نہ کرسکیں لیکن جس طرح سمندر کے جہازوں میں مسافروں کو متلی ہونے لگتی ہے جسے سی سکنیس (Sea Sickness) کہا جاتا ہے اسی طرح خلا میں جانے والے انسانوں کو خلائی Sickness ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے انھیں سفر سے پہلے کچھ ایسی دوائیں کھانی پڑیں گی جو ان کو نفسیاتی اور جسمانی طور پر پُرسکون رکھ سکیں۔

خلا میں جاکر کھانا کھانا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ خلا میں جاکر آپ ٹیبل پر بیٹھ کر باقاعدہ لنچ اور ڈنر نہیں کھاسکتے۔ کیوں کہ بے وزنی کی حالت میں اگر کھانے کا ذرا سا ٹکڑا یا ذرہ بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو وہ خطرناک ہوسکتا ہے۔ اگر وہ کھانے کا ذرہ کسی آلے یا مشین کی کسی نالی میں چلا گیا تو وہ پورے خلائی جہاز کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اس لیے خلا میں کھانا پلیٹوں میں رکھ کر کھانے کی بجائے ٹیوبوں کے ذریعے کھایا جاتا ہے۔ ٹیوب کو منہ میں رکھ کر ٹیوب کو دبایا جاتا ہے، جس سے کھانا

منہ میں چلا جاتا ہے۔

اب تک جو خلاباز مہینوں خلائی اسٹیشنوں میں گزار چکے ہیں یا چاند پر جا چکے ہیں ان کے تجربات سے خلائی الجھنوں کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔خلاباز بزایلڈ رن (Buzz Aldrin) جس نے دوسری بار چاند کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ جب وہ اپنی زمین پر واپس آیا تو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔اس نے خلا میں جانے کی تمنا رکھنے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر آپ چاند پر پہنچ بھی جائیں تو اس کے بعد کیا ہو گا یا کیا رہ جاتا ہے۔چاند پر اترنے والے پہلے خلاباز نیل آرم اسٹرانگ (Neil Armstrong) نے چاند سے واپس آنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور لوگ اسے تارک الدنیا کہنے لگے تھے۔چاند کی سرزمین پر قدم رکھنے والے آٹھویں خلاباز جیمز اروِن (James Irvin) زمین پر واپس آنے کے بعد ایک گرجا گھر بنوا کر راہبوں کی زندگی گزارنے لگا ہے۔اس میں شک نہیں کہ خلا میں جا کر اپنی دنیا اور کائنات کے حیرت انگیز مناظر انسان کو دیوانہ بنا دیتے ہیں۔زمین سے ڈھائی سو میل اوپر تک پہنچنے کے باوجود خلا سے پوری زمین نظر نہیں آتی بلکہ اس کی گولائی کا ایک حصہ نظر آتا ہے البتہ خلاباز چاند کے آس پاس پہنچ کر کرۂ زمین کا پورا گولا دیکھ سکتے ہیں جو سبز رنگ کے چاند کی طرح نظر آتا ہے۔زمین کے فضائی غلاف سے نکل کر جسے ہم نیلا آسمان سمجھتے ہیں، ہر طرف تاریک خلا نظر آنے لگتا ہے اور اس خلا میں لاتعداد سورج اور کہکشائیں زیادہ واضح نظر آنے لگتی ہیں۔ ہماری اس دنیا کو وجود میں آئے کروڑوں برس ہو چکے ہیں اور شاید لاکھوں برس سے انسان شعور سے کام لے رہا ہے۔لیکن بیسویں صدی سے پہلے کبھی کسی انسان نے آسمان سے اوپر جانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ آسمان کے اوپر یہ ستارے ٹکے ہوئے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔آسمان کے پار خلا میں جانے کا خیال تو بہت بڑی بات ہے، تین چار سو سال پہلے کا انسان زمین سے اوپر اٹھ کر ہوا میں اڑنے کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

سب سے پہلے 1452 میں مصور لیونار دو، دا۔ونسی نے پرندوں کو دیکھ کر یہ سوچا کہ کیا انسان ہوا میں نہیں اڑ سکتا۔ لیونار دو اٹلی کے فلورنس شہر کے نزدیک ایک گاؤں ونسی میں پیدا ہوا تھا۔وہ دنیا کے بہترین مصوروں کی صف میں آتا ہے۔اس کی تصویر 'مونالیزا' دنیا کی سب سے مشہور پینٹنگ ہے۔لیونار دو دا۔ونسی

صرف مصور ہی نہیں تھا بلکہ اپنے وقت کا بہترین سائنس داں بھی تھا۔ پانچ چھ سو سال پہلے اس نے ہوا میں اڑنے والی مشینوں کے کچھ نقشے بھی بنائے تھے، جو آج تک اس کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں گویا وہ پہلا انسان تھا، جس نے پرندوں کی طرح اڑنے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس کے بعد بیسویں صدی کی ابتدا میں رائٹ برادرز نے پہلا ہوئی جہاز بنایا اور ان میں سے ایک بھائی پندرہ سولہ سیکنڈ تک پنچھیوں کی طرح ہوا میں اڑتا رہا۔ اس سے سو سال پہلے فرانس کے جیولز ورنی نام کے ایک ادیب نے ایک ناول 'خلائی سفر' لکھا تھا اس نے اپنا خیالی خلائی جہاز گیس بھرے غباروں سے اڑایا تھا لیکن خلا میں بے وزنی کے جو حالات اس نے دکھائے تھے وہ حقیقت کے بالکل قریب تھے۔

رائٹ برادرز کی پہلی اڑان کے بعد جیسے ایک انقلاب آ گیا اور نئے نئے قسم کے ہوائی جہاز بننے لگے، جن کے ذریعے آج ہم چند گھنٹوں میں دنیا کے کسی بھی کونے میں پہنچ سکتے ہیں۔ کل کا بے بس انسان آج ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہوا چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور اب مریخ سیارے پر خلا باز بھیجنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آج کل خلا میں ایک چھوٹا سا شہر بنایا جا رہا ہے۔ جس میں سائنس داں اور انجینئر رہیں گے اور دوسرے سیاروں پر خلائی جہاز بھیج کر نظامِ شمسی کے ہر سیارے کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ آج یہ سوال بہت اہم ہو گیا ہے۔ کچھ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر انسان نے خطرناک ہتھیار بنا کر اور جنگیں کر کے اپنی نسل کو ختم نہ کر لیا تو مستقبل میں یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے نظامِ شمسی کے چاند اور مریخ جیسے سیاروں پر کالونیاں بسائے یا کائنات میں پھیلے ان گنت ایسے نظاموں میں سے کسی سورج کے آباد سیارے کی تلاش میں روانہ ہو جائے۔

I لغت:

1) الفاظ

تسخیر = قابو میں کرنا، تابع کرنا

شہیر = مشہور، نامور

تخمینہ = اندازہ، قیاس

II مشقیں:

1) **ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔**

۱) سوویت یونین نے پہلا مصنوعی سیارہ کب اور کہاں بھیجا؟

۲) 2003 میں امریکہ کے خلائی جہاز کولمبیا کے حادثے کا ہم ہندوستانیوں کو زیادہ دکھ کیوں ہوا؟

۳) پرائیویٹ خلائی جہاز بنانے کی پہل کس نے کی؟

۴) لیونارڈو کون تھا؟

۵) بیسویں صدی کی ابتدا میں کس نے پہلے ہوائی جہاز تیار کیا؟

۶) تین، چار سو سال پہلے کا انسان کس بات کا تصور نہیں کر سکتا تھا؟

2) **ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔**

۱) پرائیویٹ خلائی جہاز بنا کر خلائی سیاحت کی ابتدا کس نے اور کس طرح کی؟

۲) مریخ پر خلاباز بھیجنے کے لیے سائنس دان کس طرح کی تیاری کر رہے ہیں؟

۳) چاند کے آس پاس سے دنیا اور آسمان کیسا نظر آتا ہے؟

۴) ڈینس ٹیٹو کون تھا اور اسے خلائی سفر کے لیے کتنے ڈالر خرچ کرنے پڑے تھے؟

۵) خلائی تحقیق اگر اسی طرح ترقی کرتی رہے گی تو مستقبل میں کیا ممکن ہے؟

3) **ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔**

۱) آنے والے زمانے میں خلائی سیاحت کی پروازیں کتنی قسم کی ہوں گی؟

۲) زیریں مدار کی اڑانوں کے مسافروں کو سفر کے دوران کن باتوں کا خیال رکھنا ہوگا؟

۳) مہینوں خلائی اسٹیشنوں پر گزار چکے یا چاند پر جا چکے خلابازوں کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی کا ذکر مضمون نگار نے کس طرح کیا ہے؟

۴) خلائی جہاز اور خلائی سفر کے تصور کو ابتدا میں کن کن لوگوں نے پیش کیا تھا؟ مفصل لکھیے۔

4) **الف اور ب کو مناسبت سے جوڑیے۔**

	الف	ب
۱)	کلپنا چاولہ	چاند پر اترنے والا پہلا خلاباز
۲)	ڈینس ٹیٹو	فرانس کا ادیب جس نے ناول 'خلائی سفر' لکھا تھا
۳)	رچرڈ بران سن	دوسری بار چاند پر جانے والا خلاباز
۴)	نیل آرم سٹرانگ	2003 میں خلائی حادثے میں فوت
۵)	برایلڈرن	پرائیویٹ خلائی جہاز بنانے میں پہل کی
۶)	لیونارڈو	پہلا انسان جس نے خلائی سیاحت کی
۷)	جیولز ورنی	مشہور مصور اور سائنس داں

III **سائنس سے متعلق ان رسالوں کا پابندی سے مطالعہ کیجیے۔**

۱) سائنس کی دنیا (سہ ماہی) : نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، کمیونی کیشن اینڈ انفارمیشن رسورس، ڈاکٹر کے این کرشنن مارگ، نئی دہلی۔

۲) سائنس (ماہ نامہ) : 665/12، ذاکر نگر، نئی دہلی۔

IV **عملی کام:**

انٹرنیٹ کی مدد سے خلائی سفر پر بھیجے گئے مختلف مصنوعی سیارچوں کی تصویروں کو دیکھیے اور ان کے تعلق سے معلومات حاصل کیجیے۔

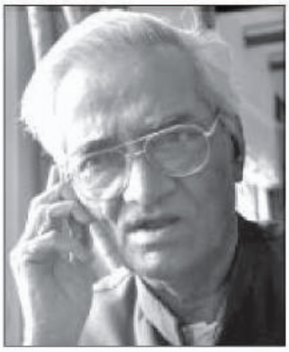

قصّہ بلٹ ٹرین کا

مجتبیٰ حسین

تخلیق کار اور تخلیق :

مجتبیٰ حسین 15 / جولائی 1936 کو ضلع گلبرگہ کے تعلقہ چنچولی میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج گلبرگہ سے انٹرمیڈیٹ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے بی اے میں کامیابی حاصل کی۔ پھر روزنامہ سیاست حیدرآباد سے وابستہ ہوئے۔ کچھ عرصے تک حکومت آندھراپردیش کے محکمہ اطلاعات اور رابطہ عامہ میں کام کیا۔ 1974 میں وہ دھلی منتقل ہوئے، جہاں انھوں نے نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے شعبہ اردو میں بہ حیثیت ایڈیٹر خدمات انجام دیں۔ 1991میں وظیفہ پر سبک دوشی کے بعد وہ حیدرآباد میں قیام پذیر ھیں۔

مجتبیٰ حسین نے مزاح نگاری کاآغاز 1962 میں روزنامہ سیاست ، حیدرآباد کے مزاحیہ کالم 'شیشہ و تیشہ' سے کیا۔ مزاح نگاری کے لیے ضروری وسیع اور گھرے مشاھدے کی خوبی اور زندگی کے معمولی اور چھوٹے چھوٹے واقعات میں مزاح کے پھلو کو تلاش کرنے کی صفت، مجتبیٰ حسین کے ھاں بہ درجہ اتم پائی جاتی ھے۔ تکلف اور تصنع سے عاری مجتبیٰ حسین کا

اسلوبِ نگارش آسان اور دل پراثر چھوڑنے والا ہوتا ہے۔ لطف و انبساط سے دو چار کرنے والی ان کی تحریروں میں کھیں کھیں گھرے طنز کی نشتریت کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مجتبیٰ حسین نے کئی ممالک کی سیاحت کی اور سفرنامے لکھے۔ نیز خاکہ نگاری اور کالم نگاری کے باب میں بھی ان کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

'تکلف برطرف' ،'قطع کلام'،'قصہ مختصر'،'آدمی نامہ'،' چھرہ درچھرہ'،' جاپان چلو، جاپان چلو'،'سفر لخت لخت' اور 'میراکالم' ان کی چند اہم کتابیں ہیں۔

حکومت ہند کے اعلیٰ اعزاز پدم شری کے علاوہ مجتبیٰ حسین کو مختلف ریاستوں کی اردو اکادمیوں اور ادبی اداروں نے متعدد اعزازت سے نوازا ہے۔ علاوہ ازیں گلبرگہ یونیورسٹی نے 2010میں ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں اعزازی ڈاکٹریٹ بھی عطا کی ہے۔

زیرِ نظرمضمون مجتبیٰ حسین کے مشھور سفر نامہ 'جاپان چلو ، جاپان چلو' کا ایك حصہ ہے۔ جس میں انھوں نے جاپان میں چلنے والی بلٹ ٹرینوں کے حوالے سے جاپان کے خوب صورت مناظر اور جاپانیوں کے اخلاق و عادات کا نقشہ پُر اثر انداز میں کھینچا ہے۔ علاوہ ازیں جگہ جگہ جاپانی ٹرینوں کا ھندوستانی ٹرینوں سے موازانہ کرتے ہوئے مجتبیٰ حسین نے ھندوستانی ٹرینوں اور مسافروں کو طنز کا نشانہ بھی بنایا ہے۔

صاحبو! جب سے جاپان آئے ہیں ہمیں اپنے وطن کی ریل گاڑیاں شدت سے یاد آ رہی ہیں۔ ٹوکیو میں ہماری آوارہ گردی کا واحد ذریعہ جاپانی ٹرینیں ہی ہیں۔ یوں بھی سارا جاپان ٹرینوں میں بھاگتا

پھرتا ہے۔ہم بھی ایک ٹرین سے اترتے ہیں تو دوسری میں سوار ہو جاتے ہیں۔دوسری سے اترتے ہیں تو تیسری میں گھس جاتے ہیں۔اب تو خیر ہمیں ان ٹرینوں میں بیٹھنے کی عادت ہوگئی ہے۔ابتدا میں ان میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔اس لیے کہ یہ ٹرینیں کسی بھی اسٹیشن پر ایک منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتیں۔ادھر ٹرین رکتی ہے اور ادھر ساری ٹرین کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔اترنے والے اتر جاتے ہیں اور ٹرین میں چڑھنے والے چڑھ جاتے ہیں اور پھر دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ہمیں اکثر یہ ڈر رہتا تھا کہ اگر ہمارا ایک پاؤں ڈبے میں اور دوسرا پاؤں پلیٹ فارم پر ہو اور ایسے میں ڈبے کا دروازہ خود بہ خود بند ہو جائے تو جو ہونا ہے سو ہو جائے گا مگر ہمارے بال بچوں کا کیا ہوگا۔لیکن جاپانی ٹرینیں بڑی سمجھ دار ہوتی ہیں۔مسافر کا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ سفر کرنے کا لطف ہی نہیں آتا۔ہم جب تک پوری طرح ڈبے میں داخل نہیں ہو جاتے تب تک ٹرین کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ٹوکیو میں زیادہ تر ٹرینیں خانگی ریلوے کمپنیاں چلاتی ہیں۔حکومت کی طرف سے بھی ایک ٹرین چلائی جاتی ہے۔لیکن اس میں لوگ ذرا کم ہی بیٹھتے ہیں۔کیوں کہ سرکاری ٹرین ہونے کی وجہ سے اس کا کرایہ دوسری ٹرینوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اور کارگزاری بھی کچھ ایسی ویسی ہی ہوتی ہے۔ہر کمپنی کی ٹرین کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔نیلی، پیلی، لال، ہری مُیالی غرض ہر رنگ کی ٹرین ہوتی ہے۔کچھ ریل گاڑیاں زمین کے اوپر چلتی ہیں اور اکثر زمین کے نیچے چلتی ہیں۔ٹوکیو زمین کے اوپر جتنا آباد ہے اتنا ہی زمین کے نیچے بھی آباد ہے۔کئی بڑے اسٹیشن زمین کے نیچے آباد ہیں۔

جاپان کی ریل گاڑیاں دنیا کی ترقی یافتہ ریل گاڑیاں سمجھی جاتی ہیں۔لیکن پھر بھی ہماری ریل گاڑیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ہماری ریل گاڑیوں میں جو سہولتیں دستیاب ہیں وہ جاپانی ریل گاڑیوں میں ہرگز نہیں ہیں۔مثال کے طور پر ہم اپنے وطن کی گاڑیوں میں اکثر دروازے سے لگے ہوئے ڈنڈے سے لٹک کر سفر کرتے ہیں تو بڑا لطف آتا ہے۔یہ سہولت جاپانی ریل گاڑی میں بالکل نہیں ہے۔ہم جب بھی ٹرین کا سفر کرتے ہیں تو اپنی بُش شرٹ یا پتلون ضرور پھڑوا لیتے ہیں۔یہ سہولت بھی جاپانی ٹرین میں نہیں ہے پھر جاپانی ٹرینوں کے مسافر بھی بڑے بداخلاق ہوتے ہیں۔کسی سے کوئی بات نہیں کرتے۔بھلا یہ سفر کرنے کا کوئی طریقہ ہوا۔ہم جاپانی ٹرینوں میں پچھلے ایک مہینے سے سفر کر رہے ہیں۔کسی مسافر نے پلٹ

کر یہ نہیں پوچھا میاں کہاں رہتے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ بال بچے کتنے ہیں؟ کتنے بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں؟ آپ کے شہر میں پیاز کا کیا بھاؤ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جاپانی لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت 'مون برت' رکھ لیتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ ٹرین آتی ہے تو کتاب میں انگلی رکھ کر ٹرین میں گھس جاتے ہیں اور سیٹ پر بیٹھتے ہی پھر کتاب کھول کر پڑھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی لائبریری میں بیٹھے ہیں اور لائبریری کے نیچے پہیے لگا دیے گئے ہیں۔ جاپانی یا تو پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں۔ بات بہت کم کرتے ہیں۔ انھیں کون سمجھائے کہ میاں ریل گاڑیوں میں لوگ چہرے پڑھتے ہیں۔ کتابیں نہیں پڑھتے۔ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے ہیں اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ جاپانیوں کو سفر کرنا بالکل نہیں آتا۔ اس معاملے میں یہ ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ صرف آرام دہ ریل گاڑیاں بنانے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سفر کرنے کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں، جن سے جاپانی بالکل واقف نہیں ہیں۔ ہمیں جاپانی ریل گاڑیوں سے یہ شکایت بھی ہے کہ یہ بہت ٹھیک وقت پر چلتی ہیں۔ انتظار میں جو لذت ہوتی ہے، اس کا مزہ جاپانیوں کو کیا معلوم۔ ایسے ہی کئی معاملات ہیں، جن میں جاپانی ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ہمیں ٹوکیو میں کسی بھی اسٹیشن پر ٹرین کے لیے دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک ٹرین جاتی ہے تو دوسری اس کے پیچھے آ جاتی ہے۔ اور پھر ان کی رفتار بھی ایسی تیز کہ آدمی کا کلیجہ منہ کو آ جائے۔ پتہ نہیں انھیں کہاں جانے کی جلدی ہوتی ہے۔ ہماری ریل گاڑیاں اسٹیشن میں داخل ہونے سے پہلے بیرونی سگنل کے پاس ضرور رکتی ہیں۔ سیٹیاں بجاتی ہیں اور مسافر کھڑکیوں میں سے جھانک جھانک کر سگنل کو دیکھتے ہیں۔ کتنا مزہ آتا ہے۔ لگتا ہے جاپانی ریل گاڑیوں کا کوئی سگنل ہی نہیں ہوتا۔ بس منہ اٹھائے کسی بھی اسٹیشن میں گھس جاتی ہیں۔

ہم نے جاپان کی بُلٹ ٹرین کی شہرت بہت سنی تھی۔ اس میں بھی سفر کرکے دیکھ لیا۔ بالکل واہیات گاڑی ہے۔ ہمیں بلٹ ٹرین میں بیٹھ کر کیوٹو جانا تھا۔ یونیسکو کے عہدے دار شنجی تاجما سے کیوٹو کا فاصلہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ سو کیلومیٹر سے کچھ اوپر کا فاصلہ ہے۔ اب آدمی اتنے لمبے سفر پر جاتا ہے تو سفر کی تیاریاں بھی کرتا ہے۔ ہم نے پوچھا اتنا لمبا سفر ہے بستر بند بھی ساتھ رکھ لیں۔ شنجی تاجما نے ہنس کر کہا ''اس میں سونے کی جگہ ہی کہاں ہوتی ہے کہ آپ اپنا بستر لگا سکیں۔''

پوچھا۔ ''راستہ میں پانی کے لیے صراحی یا لوٹا رکھ لیں؟''

تاجما نے کہا۔ ''پانی آپ کو ٹرین میں مل جائے گا۔''

پوچھا۔ ''اور توشہ دان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

تاجما نے کہا۔ ''صبح ناشتہ کر کے ٹوکیو سے چلیں گے۔ دوپہر کا کھانا کیوٹو میں کھالیں گے۔''

ہم نے کہا۔ ''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہمارے ہاں چھ سو کیلومیٹر کے فاصلے والے سفر کے لیے کم از کم دو وقت کا کھانا، پانی بھری ہوئی ایک صراحی، ایک لوٹا، ایک بستر بند اور دو تکیے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔''

شنجی تاجما چوں کہ ہندوستان میں ایک سال رہ چکے ہیں اور ہماری ٹرینوں میں سفر کا خاصہ لمبا تجربہ رکھتے ہیں اسی لیے شرما کر بولے۔ ''مجھے آپ کی مجبوری کا اندازہ ہے۔ ہندوستان میں سفر کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ مجھے ایک بار آپ کی ٹرین میں چالیس گھنٹوں تک بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان چالیس گھنٹوں میں میرے ساتھی مسافر کی دو صراحیاں ٹوٹی تھیں اور سارے ڈبے میں جل تھل ہو گیا تھا۔ ہر اسٹیشن پر اتر کر لوٹوں میں پانی بھرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہماری ٹرینوں میں یہ سہولت نہیں ہوتی۔''

ہمیں بتایا گیا تھا کہ کیوٹو جانے کے لیے ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن سے بلٹ ٹرین ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر نکلے گی۔ ہم نے سوچا یہ صرف ایک دھونس ہے جو ہم پر جمائی جا رہی ہے۔ بھلا کونسی ٹرین وقت پر چلتی ہے۔ ہم ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن پر پہنچے تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے اور بلٹ ٹرین کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔ ہم نے تاجما کو چھیڑنے کے انداز میں کہا۔ ''حضرت! وہ جو بُلٹ ٹرین ۸ بج کر ۴۱ منٹ پر چلنے والی تھی وہ کہاں ہے؟''

تاجما نے کہا بس آتی ہی ہوگی۔ ٹھیک آٹھ بج کر پینتیس منٹ پر بُلٹ ٹرین پلیٹ فارم پر نمودار ہوئی۔ اس کا انجن ہوائی جہاز کی شکل کا ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس میں سولہ ڈبے لگے ہوتے ہیں۔ ساری ٹرین ایر کنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ ہم ٹرین میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے ہم طیارے میں پہنچ گئے ہیں۔ نشستوں کا انتظام بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ یہ ٹرین ہانشو جزیرے میں واقع ٹوکیو سے کیوٹو میں واقع ہکاتا تک ایک ہزار ستر کیلومیٹر کا فاصلہ تقریباً چھ گھنٹوں میں طے کرتی ہے۔ یہ دنیا کی سب سے تیز رفتار ٹرین سمجھی جاتی ہے، کیوں کہ یہ ایک گھنٹہ میں 210 کلیومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

ہم ٹرین میں بیٹھے اپنی گھڑی کو دیکھ رہے تھے کہ ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر ٹرین گولی کی طرح اسٹیشن سے نکلی۔ تب ہمیں یقین آیا کہ اس ٹرین کو بُلٹ ٹرین کیوں کہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر دس منٹ کے بعد ایک بُلٹ ٹرین ہکا تا کے لیے نکلتی ہے۔ ان ٹرینوں کی سب سے بڑی خوبی ان کی پابندیٔ وقت ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر کبھی ٹرین دس منٹ لیٹ ہو جائے تو مسافروں کو سارا کرایہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ ان ٹرینوں میں آٹومیٹک کنٹرول ہوتا ہے۔ کبھی ٹرین کی رفتار تیز ہو جائے تو ٹرین کو خود بخود بریک لگ جاتے ہیں۔ جاپان میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ جیسے ہی زلزلہ آتا ہے ٹرین خود بخود رک جاتی ہے۔ پٹریوں کی سلامتی کے بارے میں سگنل بھی سیکنڈوں میں ملتے ہیں۔ ہر ٹرین کا ٹیلی فونی ربط ایک دوسرے سے اور ساری ٹرینوں کا ربط ٹوکیو کے سنٹرل اسٹیشن سے ہوتا ہے۔ بُلٹ ٹرین سے سفر کر کے ہمیں اس بات کا دکھ ہوا کہ اس میں دھکے نہیں لگتے۔ ٹرین کے چلنے کی آواز بھی اندر سنائی نہیں دیتی۔ دھکے نہ لگنے اور آواز نہ آنے کے باعث اس کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں بھی اس کی رفتار کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا۔ ہمارے دوست نے ہمیں ڈائننگ کار میں لے جا کر ٹرین کا میٹر دکھایا۔ سچ مچ ٹرین 210 کیلو میٹر کی رفتار سے چل رہی تھی۔

صاحبو! اگر آپ کو بلٹ ٹرین کے ذریعے ٹوکیو سے کیوٹو جانے کا موقع ملے تو اپنے دل پہ قابو رکھیے۔ اس لیے کہ جاپان کا قدرتی حسن آپ کو مسحور کر دے گا۔ بائیں طرف سمندر آپ کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے نظر آئیں گے اور دائیں طرف فیوجی پہاڑ نظر آتا رہے گا جو وقفہ وقفہ سے بڑا ہوتا جائے گا۔ ٹرین میں سے فیوجی پہاڑ کا نظارہ خود حیران کر دینے والا ہوتا ہے۔ آپ کو ناگویا کا شہر بھی ملے گا، جو جاپان کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ ناگویا کا قلعہ بڑی شہرت رکھتا ہے، جو دوسری جنگ عظیم میں برباد ہو گیا تھا۔ اسے ۱۹۵۹ میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تین گھنٹوں کے سفر میں ہم نے جاپان کا جو حسن دیکھا وہ زندگی بھر ہمارے دل پر نقش رہے گا۔ خدا کرے یہ ہمیشہ ہماری یادداشت کا ایک اثاثہ بنا رہے۔ دوسری جنگ عظیم بھی یاد آئی، جس میں اس قدرتی حسن پر بمباری کی گئی تھی۔ ان ہی جگہوں پر کہیں آگ اور بربادی کا ناٹک کھیلا گیا ہو گیا۔ پھر ہیروشیما بھی تو یہاں سے پاس ہے۔ انسان جب از سر نو جینے کا اہتمام کرتا ہے تو بربادیوں کے نشان خود بخود مٹ جاتے ہیں۔

بلٹ ٹرین میں ٹیلی فون کی سہولت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بلٹ ٹرین میں سفر کرتے کرتے ہم نے اوسا کا کوفون کیا اور اردو کے استاد مسٹر اسادہ کو یہ مژدہ سنایا کہ ہم کیوٹو آرہے ہیں۔ٹرین میں وقفہ وقفہ سے اعلانات ہوتے رہے کہ باہر کا موسم ایسا ہے۔ہم اتنا فاصلہ طے کر چکے ہیں۔اب فلاں اسٹیشن آنے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تقریباً پونے تین گھنٹوں بعد جب ہم کیوٹو پہنچے اور گھڑی دیکھی تو پتہ چلا کہ گاڑی کے پہنچنے کے وقت میں آدھے منٹ کا بھی فرق نہیں ہے۔ٹوکیو میں بھی ہمیں ایک بار ایک ٹرین سے سگامو اسٹیشن جانا تھا۔اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے۔اسٹیشنوں کے نام جاپانی میں لکھے ہوتے ہیں۔کہیں کہیں انگریزی میں بھی نام لکھے ہوتے ہیں۔چوں کہ ہم اکیلے سفر کر رہے تھے اس لیے ایک صاحب سے سگامو اسٹیشن کی پہچان پوچھی۔ان صاحب نے کہا۔''11 / بج کر 37 / منٹ پر جو بھی اسٹیشن آئے اس پر اتر جائیے، وہ سگامو اسٹیشن ہی ہوگا''۔اور ہم ٹھیک ۱۱ بج کر ۳۷ منٹ پر سگامو اسٹیشن پر موجود تھے۔

بُلٹ ٹرین سے اترنے کے بعد ہمارے دوست شنجی تاجما نے پوچھا'' آپ کا سفر کیسا رہا؟''ہم نے کہا''مسٹر تاجما آپ ہندوستان کی ٹرینوں میں سفر کر چکے ہیں۔ہماری ٹرینوں میں جو سہولتیں ہوتی ہیں وہ آپ کے ہاں کہاں۔وہ سفر ہی کیا جس میں آدمی کو دھکا نہ لگے۔ہم نے تین گھنٹے آپ کی ٹرین میں سفر کیا۔کسی نے ہمارے سر پر صندوق نہیں رکھا۔کسی کا ہولڈال ہمارے پاؤں پر نہیں گرا۔کسی مسافر نے نشست کے لیے دوسرے مسافر سے لڑائی نہیں کی اور پھر وہ ہر اسٹیشن پر'' چائے لے لو چائے اور پان بیڑی سگریٹ'' والی مانوس آوازیں نہیں سنائی دیں۔بھلا یہ بھی کوئی ٹرین کا سفر ہے۔

تاجما نے شرم کے مارے نظریں نیچی کرلیں۔بولے۔'' آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔یوں بھی جاپان اور ہندوستان کا کیا مقابلہ۔ہمارا ملک چھوٹا ہے اور آپ کا ملک عظیم''۔اور تاجما کی یہ بات سن کر ہمارا سر فخر سے اونچا ہوگیا۔

لہٰذا صاحبو! کبھی جاپان جاؤ تو بلٹ ٹرین میں بالکل نہ بیٹھو۔بڑی واہیات ٹرین ہے۔بُلٹ ٹرین میں بیٹھنے سے بہتر یہی ہے کہ آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھ جائے۔

I لغت

(1 الفاظ

دستیاب = میسر، حاصل
واہیات = بے ہودہ، فضول باتیں
مسحور = جس پر جادو کا سا اثر ہو
مژدہ = خوش خبری

(2 مرکبات:

آوارہ گردی = مارا مارا پھرنا
ازسرِ نو = نئے سرے سے
کارگذاری = کام کرنا، خدمت کرنا
مون برت = خاموش رہنا

(3 محاورات:

کلیجہ منہ کو آنا = گھبرانا، پریشان ہونا
دھونس جمانا = رعب ڈالنا، دھمکی دینا

II مشقیں:

(1 ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

ا) ٹوکیو میں مجتبیٰ حسین کی آوارہ گردی کا واحد ذریعہ کیا تھا؟
۲) جاپانی ٹرینیں اسٹیشنوں پر کتنی دیر رکتی ہیں؟
۳) مجتبیٰ حسین نے جاپانی ٹرینوں کے مسافروں کو بداخلاق کیوں کہا ہے؟
۴) بُلٹ ٹرین ایک گھنٹے میں کتنے کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے؟
۵) انسان جب ازسرِ نو جینے کا اہتمام کرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟
۶) مجتبیٰ حسین کے ہم سفر نے سگاموا سٹیشن کی پہچان کیا بتائی ؟

2) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) مجتبیٰ حسین نے جاپانی ٹرینوں کو کیوں سمجھ دار کہا ہے؟

۲) ہندوستان میں چھ سو کلومیٹر کا سفر کرنے کے لیے کن کن چیزوں کو ساتھ رکھنا پڑتا ہے؟

۳) جاپانی ،ٹرین کا سفر کس طرح کرتے ہیں؟

۴) جاپان کے ریلوے اسٹیشنوں پر مجتبیٰ حسین کو کونسی مانوس آوازیں سنائی نہیں دیں؟

۵) تاجما کی کس بات پر مجتبیٰ حسین کا سر فخر سے اونچا ہو گیا؟

3) ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) مجتبیٰ حسین کے مطابق جاپان کی ریل گاڑیاں ہماری ریل گاڑیوں کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتیں؟

۲) مجتبیٰ حسین نے بُلٹ ٹرین کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟

۳) مجتبیٰ حسین نے ٹوکیو سے کیوٹو کے سفر کے دوران کون کونسے مناظر دیکھے؟

۴) مجتبیٰ حسین نے اپنے دوست تاجما سے ہندوستان کی ٹرینوں کی کن سہولتوں کا ذکر کیا ہے؟

4) متن کے حوالے سے ان جملوں کی تشریح کیجیے۔

۱) ''اس میں اتنی جگہ ہی کہاں ہوتی ہے کہ آپ اپنا بستر لگا سکیں''۔

۲) ''حضرت! وہ جو بُلٹ ٹرین 8 / بج کر 41 / منٹ پر چلنے والی تھی، وہ کہاں ہے''۔

۳) ''یوں بھی جاپان اور ہندوستان کا کیا مقابلہ۔ ہمارا ملک چھوٹا ہے اور آپ کا ملک عظیم''۔

5) ان مرکبات اور محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

پابندیٔ وقت   ازسرِ نو   کلیجہ منہ کو آنا   دھونس جمانا   کارگزاری

III مجتبیٰ حسین کے ان سفرناموں کو بھی پڑھیے۔

۱) سفر لخت لخت   ۲) امریکہ گھاس کاٹ رہا ہے

IV عملی کام:

اپنے کسی تعلیمی سفر کی روداد پر مشتمل ایک مختصر مضمون لکھیے۔

1924 - 1973

ممتاز شیریں

نظیر صدیقی

تخلیق کار اور تخلیق :

نظیر صدیقی پاکستان کے معروف خاکہ نگار ہیں۔ انھوں نے ہندوپاک کی کئی ادبی شخصیتوں کے کامیاب خاکے لکھے ہیں۔ نظیر صدیقی نے خاکوں کے لیے ایسی شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے، جن سے ان کے قریبی مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکوں میں متعلقہ شخصیتوں کی تمام تر ظاہری اور باطنی خصوصیات جیسے ان کے خیالات و افکار، سیرت وکردار، عادات و اطوار کی جھلکیاں واضح نظر آتی ہیں، اور ان شخصیتوں کی مکمل تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

ممتاز شیریں اردو کی بہترین افسانہ نگار ہیں اور نقاد بھی۔ انھوں نے مغربی زبانوں کی شاہ کار تخلیقات کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ ممتاز شیریں 12 / ستمبر 1924کو بنگلور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم میسور میں حاصل کی۔ 1941 میں بنگلور کے مہارانی کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد ان کی شادی، شعر وادب کے اعلیٰ ذوق کے حامل صمد شاہین سے ہوئی۔ 1944میں ممتازشیریں اور صمد شاہین نے اردو ماہنامہ 'نیادور' جاری کیا ۔ اپنے اعلیٰ

معیار و مزاج کی وجہ سے اس رسالے نے نہایت قلیل عرصہ میں ہندو پاک کے مقبول ترین ادبی رسالوں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ تقسیمِ ہند کے بعد 1947 میں ممتاز شیریں نے اپنے شوہر کے ہم راہ پاکستان ہجرت کی اور وہاں بھی انھوں نے اس رسالے کی اشاعت کے سلسلے کو 1952 تک جاری رکھا۔

ممتاز شیریں نہ صرف بلند پایہ افسانہ نگار تھیں بلکہ انھوں نے اردو تنقید کے میدان میں بھی اپنے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ ان کانام مستند اور سربرآوردہ نقادوں کی فہرست میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

بلاشبہ ممتاز شیریں کرناٹک کی ان معدودے چند شخصیتوں میں سے ایک ہیں، جن کے بے مثال کارناموں کو دنیائے ادب کبھی فراموش نہیں کرسکے گی۔

اور سنیچر کی اس شام کو ممتاز شیریں نے پوچھا کہ میں کہاں ہوں۔ یہ کمرہ بہت تنگ معلوم ہو رہا ہے۔شاہین صاحب نے جواب دیا۔''بی بی آپ جہاں تھیں وہیں ہیں۔اور یہ کمرہ تو بہت کشادہ ہے۔''پھر اسی شام کے سات آٹھ بجے کے درمیان عالمِ خواب میں ممتاز شیریں نے کہا۔''ہم سرحد کا سفر کر رہے ہیں۔نئی نئی چیزیں نظر آ رہی ہیں۔'' شاہین صاحب نے اس جملے کی وضاحت چاہی اور پوچھا۔''کون سی سرحد''لیکن زیادہ سوال کرنا مناسب نہ سمجھ کران کے حال پر چھوڑ دیا۔

نیم خوابی کے عالم میں ممتاز شیریں کی زبان سے یہ فقرہ ادا ہوا تھا۔اس کے دوسرے دن صبح کے سوا سات اور ساڑھے سات بجے کے درمیان انھوں نے اپنا یہ سفر مکمل کرلیا تھا۔وہ زندگی کی سرحد پار کر چکی تھیں۔

یہ سانحہ 11 / مارچ 1973 کو پیش آیا،جب ممتاز شیریں ڈیڑھ دو ماہ تشویش ناک حد تک بیمار رہ کر اپنے شریکِ حیات ڈاکٹر صمد شاہین اپنے بیٹوں پرویز اور گلریز اور اردو ادب کو داغِ مفارقت دے گئیں۔

ممتاز شیریں نہایت خوش مزاج،خوش اخلاق،خاموش طبع اور گوشہ نشیں خاتون تھیں۔انھوں نے اپنے وسیع مطالعے اور گہری علمیت کا لوہا بہت ہی کم عمری میں منوالیا تھا۔لیکن ان کے دوسرے ملنے والوں کی

طرح میرا بھی تجربہ اور تاثر یہی ہے کہ ان میں علمی رعونت نام کو نہ تھی۔ وہ ادب میں یقیناً ایک تند جبیں نقاد تھیں، جنھیں اپنی رایوں پر نہ صرف اعتماد تھا بلکہ اصرار بھی۔ لیکن ذاتی زندگی میں وہ نہایت منکسر المزاج، سیدھی سادی سادہ دل عورت تھیں۔ نہ ان کے رہنے سہنے کے طریقے میں نمود و نمائش تھی نہ ان کی بات چیت میں خودستائی اور پندار۔ ان میں وہ منکسر المزاجی تھی، جس کی توقع ان کی تحریروں سے نہیں ہوتی۔ اپنی تحریروں میں پُراعتماد اور تحکمانہ اور اپنی ذاتی زندگی میں منکسر المزاج ہونے کی جیسی خوبی مجھے ان کی ذات میں نظر آئی ویسی کسی اور شخصیت میں نظر نہ آسکی۔

شاہین صاحب میسور کے ایک نہایت دولت مند خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ممتاز شیریں بھی ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ پاکستان میں شاہین صاحب زندگی کے متعدد نشیب و فراز سے گزرے لیکن نشیب سے گزرتے وقت بھی انھوں نے اپنی سرفرازی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کراچی میں ان کا گھر پاکستان کے بہترین ادیبوں، نقادوں اور دانشوروں کا مرکز تھا۔ اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے سلسلے میں وہ کئی بیرونی ممالک میں رہے۔ ممتاز شیریں نے بھی آکسفورڈ یونیورسٹی سے انگریزی ادب کا ایک کورس کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود دونوں میاں بیوی کے اندر ایک مشرقی سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی تھی۔ ساتھ ہی وہ رکھ رکھاؤ بھی جو بے تکلفی کو ایک خاص حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

ایک دفعہ جاڑوں کے آغاز میں شام کے وقت شاہین صاحب ممتاز شیریں کے ساتھ کسی دوست کے یہاں جا رہے تھے اتفاقاً میں ان کے یہاں پہنچ گیا۔ انھوں نے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ میں ساتھ ہولیا۔ راستے میں ممتاز شیریں نے اپنے بیگ سے نہایت خوبصورت دستانے، جو غالباً یورپ میں خریدے گئے تھے نکال کر پہن لیے۔ شاہین صاحب نے کہا ابھی سردی اتنی نہیں ہے، یہ چیز توجہ کا مرکز ہو جائے گی۔ ممتاز شیریں نے فوراً دستانے اتار کر بیگ میں رکھ دیے۔ شاہین صاحب کی موجودگی میں وہ مجھے کبھی ادیب، نقاد اور فن کار معلوم ہی نہیں ہوئیں۔ ان کی موجودگی میں ممتاز شیریں اپنے بہترین معنوں میں ایک مشرقی بیوی ہی نظر آتی تھیں۔ وہ شاہین صاحب کی خوشی اور خوشنودی کا بہت لحاظ رکھتی تھیں۔ کئی سال کی خاموشی اور گوشہ گیری کے بعد پچھلے سال انھوں نے ریڈیو پاکستان پنڈی کا ایک پروگرام قبول کیا، جس میں ان کا انٹرویو لیا گیا تھا۔ جب وہ اس پروگرام کے لیے ریڈیو اسٹیشن گئیں تو اپنا قلم وہیں

بھول آئیں۔ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ریڈیو اسٹیشن جاتے رہتے ہیں۔اب کے جائیں تو فلاں صاحب سے کہیے گا کہ ان کی میز پر میرا قلم رہ گیا تھا۔میں نے کہا۔''آج کل تو میرا جانا نہیں ہوتا۔ میں فون پر کہہ دوں گا۔''انھوں نے کہا۔''خیر آپ فون پر ہی بات کر کے میرا قلم منگوا دیں۔ویسے میں شاہین صاحب سے بھی ریڈیو والوں کو کہلوا سکتی تھی۔لیکن چوں کہ قلم بہت اچھا ہے۔اگر اس وقت تک ضائع ہو چکا ہے تو شاہین صاحب کو بڑی کوفت ہوگی۔اسی لیے میں ان سے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتی۔''میں نے ان کے قلم کے سلسلے میں کئی مرتبہ ریڈیو والوں کو فون کیا۔مگر بے سود۔صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان میں کوئی چیز کہیں گر جائے یا چھوٹ جائے پھر اس کا ملنا ناممکنات میں سے ہے۔

ممتاز شیریں نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ شاہین صاحب کو اپنا بہترین نقاد مانا ہے۔پاکستان آنے اور پاکستان میں کچھ عرصے تک 'نیا دور' کو جاری رکھنے کے بعد شاہین صاحب نے نہ صرف اردو میں لکھنا لکھانا ترک کر دیا بلکہ وہ ادبیات سے زیادہ سیاسیات اور عمرانیات سے دلچسپی لینے لگے۔نتیجتاً تاریخ، سیاسیات، عمرانیات اور حالاتِ حاضرہ پر ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔لیکن چوں کہ ادب میں وہ ذوقِ صحیح کے مالک ہیں اور ایک زمانے تک انھوں نے مغربی ادب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔اس لیے ممتاز شیریں ادبیات میں ان سے زیادہ وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود ان کی رایوں کو ہمیشہ انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔واقعہ یہ ہے کہ شاہین صاحب سے ان کی شادی ہونے میں دونوں کے ادب پرست اور ہم ذوق ہونے کے علاوہ اس بات کو بھی بڑا دخل تھا کہ شاہین صاحب کے پاس مغربی ادب کی نہایت عمدہ لائبریری تھی، جس میں ہزاروں کتابیں تھیں۔خصوصاً جدید مغربی ادب کی تمام اہم کتابیں۔

ممتاز شیریں، شاہین صاحب کو نہ صرف شریکِ حیات تصور کرتی تھیں بلکہ اپنا ذہنی مشیر و مرشد بھی۔

مذہبِ اسلام کی طرف ممتاز شیریں کا ذہنی اور جذباتی رویہ وہی تھا، جو شاہین صاحب کا تھا۔ شاہین پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے روایتی مسلمان نہ سہی مزاجاً مذہبی واقع ہوئے تھے اور اسلام کے پرستاروں میں سے تھے۔وہ اسلامی عقائد کی صداقت کے دل سے قائل رہے تھے۔مذہب سے وابستگی کے معاملے میں عورتیں مردوں سے دو چار ہاتھ آگے ہی ہوتی ہیں۔اس لیے اسلام سے ممتاز شیریں کی

شیفتگی صرف عقیدے کی حد تک نہ تھی بلکہ وہ نماز بھی پڑھتی تھیں اور روزے بھی رکھتی تھیں۔ ان کے افسانے 'کفارہ' میں ان کے مذہبی شعور کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

ممتاز شیریں نے تقریباً دس بارہ سال سے با قاعدگی کے ساتھ لکھنا ترک کر دیا تھا۔ لیکن ان کے مطالعے کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رہا۔ گو مطالعے میں بھی وہ انہماک باقی نہیں رہ گیا تھا، جو سنجیدگی اور باقاعدگی سے لکھنے والوں کے مطالعے میں ہوتا ہے۔ لکھنے کی خاطر مطالعہ کرنا کچھ اور ہے اور ذہنی تفریح کے لیے مطالعہ کرنا کچھ اور ہے۔ لکھنے کے لیے مطالعہ کرنا ایک غیر معمولی ذہنی ریاضت ہے۔ گذشتہ دس بارہ سال سے ممتاز شیریں نے یہ ریاضت ترک کر دی تھی۔ وہ صرف اپنی ذہنی تفریح کے لیے کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کینسر کے ہاتھوں زندگی سے محروم ہو جانے والی ممتاز شیریں نے جو آخری ادبی ناول پڑھا اس کا نام (The Cancer Ward) تھا، جس پر اس کے روسی مصنف (Aleksander Solzhenitsyn) کو غالباً 1970 میں نوبل پرائز ملا تھا۔

پولی کلینک میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے لارنس ڈرل کا ناول CLEA پڑھنا چاہا لیکن صحت کی روز افزوں خرابی کے باعث اسے نہ پڑھ سکیں۔ ایک کتاب جسے انہوں نے گھر پر پڑھنا شروع کیا تھا اور جسے پولی کلینک میں ختم کیا، مختار مسعود کی ''آواز دوست'' ہے۔ معلوم نہیں اس کتاب کے بارے میں ان کی رائے کیا تھی لیکن جنوری 1973 میں جب یہ کتاب چھپی تو انھوں نے اس کتاب کو پڑھنے کا بیتابانہ اشتیاق کرتے ہوئے مجھ سے یہ کتاب مانگی۔ میں نے ان کو اپنا نسخہ دے دیا تھا۔ بعد میں انھوں نے اپنے لیے بازار سے ایک نسخہ منگوالیا تھا۔ پولی کلینک میں ایک دن میں نے ان کے سرہانے انگریزی کے دو ایک جاسوسی ناول دیکھے اور پوچھا۔ ''کیا آپ کو جاسوسی ناولوں سے بھی دلچسپی ہے۔'' جب انھوں نے عذر خواہانہ اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہلکے پھلکے مطالعہ کے لیے نثار عزیز یہ ناول دے گئی ہے تو میں نے کہا۔ ''آپ انھیں ضرور پڑھیں اور اس معاملے میں عذر خواہ ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ جاسوسی ناول تو ایک ایسی چیز ہے، جس سے دنیا کی عظیم ترین شخصیتیں بھی دل چسپی لیتی رہی ہیں۔ برٹرنڈ رسل اور ٹی ایس ایلیٹ جیسے لوگ بھی کبھار جاسوسی ناول پڑھ لیا کرتے تھے۔''

ممتاز شیریں اپنی زندگی کے آخر چند برسوں میں زیادہ سرگرم عمل نہ ہونے کے باوجود کئی

مسودات چھوڑ گئی ہیں، جن میں ایملی برونٹی اور پیسٹر ناک سے متعلق دو کتابیں انگریزی میں ہیں۔ منٹو پر ان کی کتاب ناتمام ہونے کے باوجود اس وقت تک منٹو کا سب سے زیادہ تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ ہے۔ انھوں نے اپنے بہترین افسانوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو ایک مقدمے کے ساتھ مرتب شکل میں موجود ہے۔ ان کے مسودات میں ایک نامکمل خود نوشت بھی ملی ہے جو پندرہ بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ 1947 کے فسادات کے متعلق بہترین افسانوں کا ایک مجموعہ انھوں نے مرتب کیا، جس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا۔ ممتاز شیریں کی دو چیزیں ایسی ہیں جو اگر چہ ان کی زندگی میں شائع ہوئیں مگر ان کی طباعت عدم طباعت کے برابر ہے کیوں کہ وہ دونوں چیزیں شائع ہونے کے بعد کہیں ڈال دی گئیں۔ ان میں سے ایک تو اسٹین بک کے ایک ناول کا اردو ترجمہ 'درشہوار' ہے، جس کے مقدمے میں انھوں نے امریکی ناول کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ دوسرے منتخب امریکی افسانوں کا اردو ترجمہ ہے، جس پر ان کا ایک طویل مقدمہ ہے۔ جو بڑی محنت سے لکھا گیا تھا۔ ممتاز شیریں نے دنیا کی مختلف زبانوں کے بہترین افسانوں کا اردو ترجمہ خاصی تعداد میں شائع کیا ہے۔ ان ترجموں سے ایک اچھی کتاب بن سکتی ہے۔ رسالوں میں ان کے بکھرے ہوئے مضامین ہیں، جن سے ایک مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ غرض کہ دنیا سے جاتے جاتے بھی وہ ہمارے ادب کو بہت کچھ دے گئی ہیں۔ اگر ہمارا معاشرہ واقعی ان کا قدر دان ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اب بھی ان کی تخلیقات کو کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا بندوبست کرے۔

میرے نزدیک ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے وہ برصغیر کی تین ممتاز ترین لکھنے والیوں میں سے ہیں، جن میں سے باقی دو عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر ہیں۔ ان کی تنقیدی سرگرمیوں کا تعلق افسانے اور ناول سے رہا اور اس معاملے میں وسعت مطالعہ، فنی ادراک اور تنقیدی بصیرت کے اعتبار سے ان کی جگہ حسن عسکری، عزیز احمد اور ڈاکٹر حسن فاروقی کی صف میں محفوظ رہے گی۔

I لغت:

1) الفاظ

کشادہ	=	کھلا ہوا، وسیع
وضاحت	=	واضح کرنا

فقرہ	=	عبارت کا ٹکڑا
سانحہ	=	حادثہ،صدمہ پہنچانے والا واقعہ
انہماک	=	کسی کام میں کھو جانا، محویت
رعونت	=	غرور، گھمنڈ
کوفت	=	دکھ، صدمہ
رویہ	=	برتاؤ، طورطریقہ
مسودہ	=	وہ تحریر جو سرسری لکھی جائے اور جسے صاف و صحیح کرنے کی ضرورت ہو، جمع، مسودات
پندار	=	خیال، رائے

2) **مرکبات:**

سرفرازی	=	سربلندی، اعزاز
نشیب وفراز	=	اتار چڑھاؤ
بےسود	=	بےفائدہ، رائیگاں
خودرفتگی	=	بےخودی، بےخبری، مدہوشی
خودستائی	=	اپنی آپ تعریف کرنا
کسرِنفسی	=	عاجزی، انکساری
منکسرالمزاج	=	طبیعت میں انکساری
خودفراموش	=	اپنے آپ کو بھولنے والا، غافل
گوشہ گیری	=	دنیا سے کنارہ کش ہو جانا
عالمِ خواب	=	نیند کی حالت میں
داغِ مفارقت	=	جدائی کا غم
نیم خوابی	=	بےہوشی کے عالم میں

تند جبیں = پرزور، غضب ناک

چشم و چراغ = عزیز، بڑا پیارا

3) **محاورات:**

داغ مفارقت دینا = موت سے ہم کنار ہونا، مرنا

گوشہ گیر ہونا = دنیا سے کنارہ کش ہونا

دو چار ہاتھ رہ جانا = تھوڑا سا فاصلہ، تھوڑی سی کسر رہ جانا

لوہا منوانا = کسی کی دلیری یا شجاعت کا منوانا

II **مشقیں:**

1) **ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔**

۱) سنیچر کی شام، ممتاز شیریں نے اپنے شوہر صمد شاہین سے کیا پوچھا؟

۲) ممتاز شیریں کا انتقال کب ہوا؟

۳) ذاتی زندگی میں ممتاز شیریں کس طرح کی عورت تھیں؟

۴) ممتاز شیریں اور صمد شاہین نے کونسا اردو رسالہ جاری کیا تھا؟

۵) ممتاز شیریں کے مذہبی شعور کی جھلکیاں ان کے کس افسانے میں ملتی ہیں؟

۶) ممتاز شیریں کا پڑھا ہوا آخری ناول کونسا تھا؟

2) **ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔**

۱) ممتاز شیریں مزاجاً کس طرح کی خاتون تھیں؟

۲) ممتاز شیریں کی صمد شاہین سے شادی ہونے میں کس بات کو بڑا دخل تھا؟

۳) مذہب سے وابستگی کے معاملے میں ممتاز شیریں کا رویہ کیسا تھا؟

۴) جاسوسی ناولوں کے تعلق سے خاکہ نگار کا کیا خیال ہے؟

۵) خاکہ نگار کے مطابق ممتاز شیریں کی جگہ افسانہ نگاری اور تنقیدی بصیرت کے اعتبار سے کن ادیبوں کی صف میں محفوظ رہے گی؟

(3 ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) خاکہ نگار نے ممتاز شیریں کی ادبی اور ذاتی زندگی کا کس طرح موازنہ کیا ہے؟

۲) خاکہ نگار نے کس واقعہ کے ذریعے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ممتاز شیریں اپنے شوہر صمد شاہین کی خوشی و خوشنودی کا لحاظ رکھتی تھیں؟

۳) خاکہ نگار نے ممتاز شیریں کے کن مسودات کا ذکر کیا ہے؟

۴) صمد شاہین کی شخصیت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(4 متن کے حوالے سے ان جملوں کی تشریح کیجیے۔

۱) ''میں کہاں ہوں۔ یہ کمرہ بہت تنگ معلوم ہو رہا ہے''۔

۲) ''ابھی اتنی سردی نہیں ہے، یہ چیز توجہ کا مرکز ہو جائے گی''۔

۳) ''آپ کو جاسوسی ناولوں سے بھی دلچسپی ہے''۔

(5 ان مرکبات و محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

نشیب و فراز	داغِ مفارقت	چشم و چراغ
دو چار ہاتھ رہ جانا	لوہا منوانا	

III ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔

۱) اپنی نگریا (افسانوں کا مجموعہ) : ممتاز شیریں

۲) چند ہم عصر (خاکوں کا مجموعہ) : مولوی عبدالحق

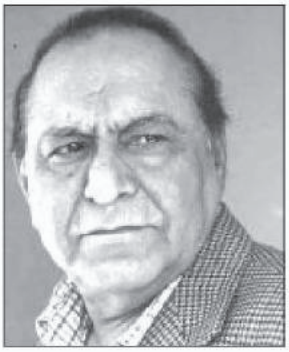

ہمزہ کا بیان

گوپی چند نارنگ

تخلیق کار اور تخلیق :

عہدِ حاضر کے صفِ اول کے ادیب، نقاد اور دانش ور گوپی چند نارنگ 11/فروری1931 کو دُکّی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ 1954میں دہلی یونیورسٹی سے ایم اے پاس کیا۔ سینٹ اسٹیفن کالج سے بہ حیثیت اردو لکچرر اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ پھر دہلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبۂ اردو میں پروفیسر ہوئے۔ علاوہ ازیں انھوں نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے وائس چیرمین اور ساھتیہ اکادمی دہلی کے صدر کی حیثیت سے اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

گوپی چند نارنگ کی کم و بیش 64کتابیں، تنقید، تحقیق اور لسانیات کے حوالے سے شعر و ادب کی تمام تر اصناف کا احاطہ کرتی ہیں۔ 'اسلوبیات'، 'اقبال کافن'، 'ساختیات اور پس ساختیات'، 'اردو افسانہ : روایت و مسائل'، 'اردو زبان اور لسانیات'، 'جدیدیت کے بعد'، 'کاغذِ آتش زدہ' اور 'املا نامہ' ان کی چند اہم کتابیں ہیں۔

گوپی چند نارنگ کی گراں قدر ادبی خدمات کے اعتراف میں دیے گئے اعزازات کی طویل فہرست میں پدم شری، پدم وبھوشن، ساھتیہ اکادمی ایوارڈ کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے ڈی لٹ کے اعزازت قابلِ ذکر ھیں۔

زیرِ نظر مضمون گوپی چند نارنگ کی مرتبہ کتاب 'املا نامہ' سے ماخوذ ھے۔ اردو املا میں 'ھمزہ' کے استعمال کی مختلف صورتیں ھمیشہ سے بحث کا موضوع رھی ھیں۔ اس مضمون میں گوپی چند نارنگ نے اردو املا کمیٹی کی تجاویز کی روشنی میں 'ھمزہ' اور اس کے استعمال پر سیرحاصل گفتگو کی ھے او رموجودہ املا میں مروج 'ھمزہ' کے غلط استعمال کی نشاندھی کرتے ھوئے اس کے صحیح استعمال سے واقف کرایا ھے۔

عربی میں ہمزہ ایک مستقل آواز ہے۔ اردو میں اس کی وہ صوتی حیثیت نہیں، تاہم اردو میں ہمزہ عربی سے ماخوذ لفظوں کے علاوہ بہت سے دیسی لفظوں کے املا میں بھی استعمال ہوتا ہے (جیسے آؤں، جاؤں، کھائے، پائے، لکھنؤ، کیکئی) چنانچہ اردو املا کا تصور ہمزہ کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انجمن ترقی اردو کی کمیٹی اصلاحِ رسم خط نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تجویز پر سفارش کی تھی کہ ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو بالکل جدا لکھا جائے' جیسے آءو، آءی، جاءو، آءیں، بھاءی، لیکن یہ رائج نہیں ہو سکا۔ ہمزہ حرف یا شوشے کے اوپر ہی لکھا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں، چنانچہ اسی طریقے کو قبول کر لینا چاہیے۔ البتہ اردو میں ہمزہ کے استعمال میں جو بے قاعدگیاں راہ پا گئی ہیں، ان کو ذیل کے اصول اپنا لینے سے دور کیا جا سکتا ہے۔

ہمزہ کا استعمال:

اردو میں ہمزہ کے استعمال کے بارے میں یہ آسان سا اصول نظر میں رہنا چاہیے۔ جس لفظ

میں بھی دو مصوتے (حرف علت یا حرکات) ساتھ ساتھ آئیں اور اپنی اپنی آواز دیں (پوری یا جزوی) وہاں ہمزہ لکھا جائے جیسے:

کو + ئی	جا + ئے	کھا + ؤ
دکھا + ئیں	نا + ئی	لکھن + ؤ
فا + ئدہ	جا + ؤں	جا + ئز

ہمزہ اور الف:

عربی کے متعدد مصادر، جمعوں اور مفرد الفاظ کے آخر میں اصلاً ہمزہ ہے، جیسے:

ابتداء انتہاء املاء انشاء شعراء

اردو میں یہ لفظ الف سے بولے جاتے ہیں۔اس لیے انھیں ہمزہ کے بغیر لکھنا چاہیے۔

ابتدا انتہا املا انشا شعرا

البتہ اگر ایسا لفظ کسی ترکیب کا حصہ ہوتو ہمزہ کے ساتھ جوں کا توں لکھنا چاہیے:

انشاءاللہ ضیاءالرحمٰن ذکاءاللہ

جرأت، تأثر، مؤرخ:

عربی میں ان الفاظ پر ہمزہ لکھا جاتا ہے۔اگر عربی املا کی تقلید کرتے ہوئے ایسے الفاظ پر ہمزہ لکھا جائے (جیسے جرأت، تأثر، تأسف، تأمل، مؤرخ) تو اسے اردو میں غلط نہ سمجھا جائے۔لیکن ہماری سفارش یہ ہے کہ یہ لفظ اردو میں چوں کہ بیش تر ہمزہ کے بغیر لکھے جاتے ہیں، انھیں ہمزہ کے بغیر لکھنا بھی صحیح سمجھا جائے۔

جرات تاثر تاسف متاثر

اردو بول چال میں افعال آؤ، جاؤ، پاؤ، کھاؤ اور حاصل مصدر بناو، پاو (سیر) رکھاو، بچاو ایک ہی طرح بولے جاتے ہیں، یعنی ان سب میں دوہرے مصوتے کی آواز آتی ہے۔اس لیے ان کا فرق غیر ضروری ہے اور یہی چلن بھی ہے۔چنانچہ ایسے تمام لفظوں میں ہمزہ لکھنا چاہیے:

حاصل مصدر بچاؤ پتھراؤ تاؤ چاؤ گھماؤ

پھراؤ　الجھاؤ　چھڑکاؤ　چناؤ

امر: امر کی سب شکلیں ہمزہ کے ساتھ صحیح ہیں۔

آؤ　جاؤ　لاؤ　کھاؤ　اڑاؤ

ہمزہ یا ی:

ہمزہ کے سلسلے میں ایک بڑی دقّت یہ ہے کہ چاہیے میں ہمزہ کیوں نہیں لکھنا چاہیے اور جائیے میں کیوں لکھنا چاہیے، یا گئی، گئے اور گئی کو تو ہمزہ سے لکھا جاتا ہے، لیکن کیے، لیے اور دیے کو ہمزہ سے کیوں نہ لکھا جائے؟ واقعہ یہ ہے کہ کسرے اور اعلان کی ی (نیم مصوتہ ی) کا مخرج ساتھ ساتھ ہے، چنانچہ چاہ+یے، ل یے، د یے، میں بالترتیب ہ، ل اور د کے زیر کے بعد دوسرے مصوتے تک جانے سے پہلے زبان ی کے مخرج سے گزرتی ہے، جس سے ی کا شائبہ پیدا ہوجانا لازمی ہے۔ اس کے برعکس ک+ی، گ+ے، گ+ی میں کسرہ نہیں بلکہ زبر ہے۔ اس لیے ی کے شائبے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان میں دو مصوتے ساتھ ساتھ آئے ہیں، اور یہ طے ہے کہ جہاں دو مصوتے ساتھ ساتھ آئیں، وہاں ہمزہ لکھنا چاہیے:

اب اس سلسلے میں اصول یہ ہوا:

۱) **اگر حرف ماقبل مکسور ہے تو ہمزہ نہیں آئے گا، ی لکھی جائے گی، جیسے:**

کیے　دیے　لیے　جیے　سیٔے　چاہیے

فعل کی تعظیمی صورتیں دیجیے، لیجیے اسی اصول کے تحت ی سے لکھی جائیں گی۔

دیجیے　لیجیے　کیجیے　اٹھیے

بولیے　بیٹھیے　کھولیے　تولیے

۲) **باقی تمام حالتوں میں ہمزہ لکھا جائے گا:**

وہ تمام فعل جن کے مادے کے آخر میں الف یا واؤ آتا ہے، اس اصول کے تحت ہمزہ سے لکھے جائیں گے۔ ان میں ایک حرف علت تو مادے کا، دوسرا تعظیمی لاحقے اِیے کا (فرما، اِیے، جا اِیے) مل کر اپنی اپنی آواز دیتے ہیں۔ اس لیے ہمزہ کے استعمال کا جواز پیدا ہوجاتا ہے۔

فرمایئے　　جایئے　　کھویئے　　سویئے

اسی طرح گئے، گئی، نئے میں یائے سے پہلا حرف مفتوح ہے، چنانچہ ان لفظوں کو بھی ہمزہ سے لکھنا صحیح ہے۔

ہمزہ اور ے:

ذیل کے الفاظ میں الف اور یائے دوہرے مصوتے کے طور پر بولے جاتے ہیں، اس لیے ان میں ہمزہ لکھنا صحیح ہے۔

گائے (اسم)	گائے (گانا سے)
پائے (اسم)	پائے (پانا سے)
رائے (اسم)	رائے (بہادر) یا رائے صاحب

ذیل کے لفظ بھی بالعموم دوہرے مصوتے سے بولے جاتے ہیں اس لیے ان کو بھی ہمزہ سے لکھنا مناسب ہے:

جائے	بجائے	سوائے
نائے	سرائے	رائے (عامہ)

آزمائش، نمائش:

فارسی کے وہ حاصل مصدر، جن کے آخری میں ش ہوتا ہے، اردو میں دوہرے مصوتے کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کو ہمزہ سے لکھنا صحیح ہے۔ فارسی میں البتہ آزمایش، نمایش لکھنا مناسب ہے، لیکن اردو میں ان کے تلفظ میں ی کی آواز کا شائبہ تک نہیں۔ اردو میں ان کو ی سے لکھنے پر اصرار کرنا محض فارسی کی نقالی ہے۔ اردو میں ان الفاظ کو ہمزہ سے لکھنا ہی صحیح ہے، اور چلن بھی یہی ہے۔

آزمائش　　نمائش　　آسائش　　ستائش

اسی طرح ذیل کے الفاظ کا املا بھی ہمزہ سے مرجح ہے۔

آئندہ	نمائندہ	پائندہ	نمائندگی	سائل
شائع	شائق	قائم	دائم	مائل

وغیرہ کو ی سے غلط لکھا جاتا ہے، ان کا صحیح املا ہمزہ ہی سے ہے۔

ہمزہ اور اضافت:

ہمزہ اور اضافت کے تین نہایت آسان اصول درج کیے جاتے ہیں، جو لفظوں کی تمام صورتوں کو حاوی ہیں؛

۱) اگر مضاف کے آخری ہائے خفی ہے تو اضافت ہمزہ سے ظاہر کرنی چاہیے۔

خانۂ خدا جذبۂ دل نغمۂ فردوس نالۂ شب

۲) اگر مضاف کے آخر میں الف، واؤ یا یائے ہے تو اضافت ئے سے ظاہر کرنی چاہیے:

اردوئے معلّٰی صدائے دل نوائے ادب

ی یا ے پر ختم ہونے والے الفاظ بھی اسی طرح ہمزہ ہی سے مضاف ہوں گے، کیوں کہ یہ بھی دوہرے مصوتے سے بولے جاتے ہیں:

شوخیٔ تحریر زندگیٔ جاوید رنگینیٔ مضمون

مئے رنگین رائے عامہ سرائے فانی

ہمزہ اور واؤ عطف:

عطف کے واؤ پر کسی بھی صورت میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا۔

وفا و جفا ہوا و ہوس زندگی و موت

I **لغت:**

۱) **الفاظ:**

ماخوذ	=	اخذ کیا گیا
منفصل	=	جدا، الگ ہونے والا
قباحت	=	برائی، عیب
مصوتہ	=	حرفِ علت کی آواز (ا، و، ے، ی، کی آوازیں)

مصادر	=	مصدر کی جمع فعلیہ لفظ (چلنا، پھرنا، لکھنا وغیرہ)
تقلید	=	اتباع، پیروی
مادہ	=	ہر چیز کی اصل (بنیادی لفظ)
مخرج	=	حرف کی ادائیگی کا انداز
جواز	=	جائز سبب
کسرہ	=	زیر کی حرکت
مفتوح	=	وہ حرف جس پر زبر ہو
مرجح	=	ترجیح دیا گیا، افضل
پائندہ	=	قائم رہنے والا
دائم	=	ہمیشہ
عطف	=	دو لفظوں یا دو کلمات کو ملانے والا حرف

۲) **مرکبات:**

اصلاحِ رسم خط	=	طرزِ تحریر کی درستی
سرائے فانی	=	فنا ہونے والی جگہ (دنیا)
اردوئے معلّٰی	=	مغلیہ دور میں رائج شاہی قلعے کی اردو زبان
رائے عامہ	=	عام رائے

II مشقیں:

۱) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے:

۱) مصوتہ کسے کہتے ہیں؟

۲) شعراء، ادباء اور علماء جیسے الفاظ کے آخر میں ہمزہ کا استعمال کس حد تک صحیح ہے؟

۳) حاصل مصدر سے مراد کیا ہے؟

۴) مکسور کسے کہتے ہیں؟

(۵ ہمزہ اضافت کسے کہتے ہیں؟

(۲ ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

(۱ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی ہمزہ سے متعلق کونسی تجویز رائج نہیں ہوسکی؟

(۲ وہ کونسے مفرد الفاظ ہیں، جن کے آخر میں اصلاً ہمزہ ہے اور اب انھیں بغیر ہمزہ کے لکھنا چاہیے۔

(۳ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے جرأت، تأثر اور متأثر جیسے الفاظ کے لیے کیا سفارش پیش کی ہے؟

(۴ فعل کی تعظیمی صورتوں کی چند مثالیں تحریر کیجیے۔

(۵ عطف کے واؤ پر کیا نہیں لکھا جاتا، مثالوں کے ساتھ لکھیے۔

(۳ ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

(۱ ہمزہ کے استعمال میں جو بے قاعدگیاں راہ پا گئی ہیں، انھیں دور کرنے کے لیے مضمون نگار نے کن اصول کو اپنانے کی سفارش کی ہے لکھیے۔

(۲ ہمزہ اور ی کے سلسلے املا میں کیا دقتیں پیش آئی ہیں اور ان کا حل مضمون نگار نے کس طرح پیش کیا ہے۔ لکھیے؟

(۳ ہمزہ اور اضافت کے تین آسان اصول کونسے ہیں، مضمون ہمزہ کا بیان کے حوالے سے لکھیے۔

III ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔

۱۔ املانامہ - پروفیسر گوپی چند نارنگ

۲۔ اردو املا - پروفیسر رشید حسن خان

IV عملی کام:

(۱ مصدر اور حاصل مصدر کی ایک فہرست تیار کیجیے اور حاصل مصدر میں ہمزہ کا استعمال کس طرح کیا جانا چاہیے۔ غور کیجیے۔

چھتری

غلام یزدانی

تخلیق کار اور تخلیق :

غلام یزدانی، اردو میں ڈراما نگاری کا ایك اهم اور معتبر نام هے۔ حیدرآباد کے متوطن غلام یزدانی کے لکھے متعدد ڈرامے نه صرف ریڈیو سے نشر هوئے بلکه کئی ڈراموں کو کامیابی کے ساتھ اسٹیج پر بھی پیش کیا جاچکا هے۔ غلام یزدانی کے هلکے پھلکے مزاحیه، یك بابی ڈرامے حیدرآباد کے مقبول ماهنامه 'شگوفه' میں شائع هوتے رهے هیں۔ بلاشبه اردو ڈرامے کے فروغ و استحکام میں ان کی کاوشیں قابل قدر رهی هیں۔تقسیم هند کے بعد وہ پاکستان منتقل هوئے اور وهاں بھی اپنا تخلیقی سفر جاری رکھا۔

زیرِ نظر ڈراما چھتری، ماهنامه 'شگوفه' حیدرآباد کے ڈراما نمبر سے ماخوذ هے۔ صرف دو کرداروں پر مشتمل یه ڈراما نهایت سیدها سادا مگر دلچسپ هے۔ بارش کے موسم میں دو اجنبی ایك چھتری کے نیچے پیدل راسته طے کرتے هیں۔ پهلا شخص، جس نے دوسرے شخص کو بارش سے بچنے کے لیے اپنی چھتری کے نیچے بلایا تھا، وہ مسلسل 'چھتری' کے استعمال کے دل چسپ فائدے بتاتا جاتا هے که دوسرا آدمی اس کی باتوں میں اس طرح کھو جاتا هے که

اسے پته هی نهیں چلتا که پهلا آدمی اسے کس طرح کا دهوکه دے گیا۔

اس ڈرامے سے یه درس ملتا هے که همیں اجنبی لوگوں سے غیر ضروری بے تکلف نهیں هونا چاهیے کیوں که کبهی کوئی اجنبی اپنی چکنی چپڑی اور خوشامدانه گفتگو میں مصروف رکھ کر همیں دهوکه بهی دے سکتا هے۔

(بادل کی کڑک صرف ایک دومرتبہ سنائی دیتی ہے۔ بارش کا تاثر دینے کی ضرورت نہیں۔)

ایک آدمی : (زور سے آواز دے کر)...... میں نے کہا قبلہ:

دوسرآدمی : (دور سے) جی!

پہلا : تکلف مت فرمایئے!

دوسرا : جی!

پہلا : جی ہاں! بارش ہو رہی ہے۔ آپ بھیگ رہے ہیں۔ یہاں آجایئے میری چھتری میں......

دوسرا : (آتے ہوئے) اوہ......شکریہ......شکریہ......

پہلا : ......دیکھیے اب بھی آپ تکلف کریں گے تو بھیگ جائیں گے......

دوسرا : جی تکلف!

پہلا : جی ہاں! آپ اتنے الگ الگ کیوں چل رہے ہیں۔ اچھی طرح چھتری کے اندر آجایئے میرے قریب!

دوسرا : اوہ! شکریہ......گھر سے نکلا تھا تو موسم بالکل صاف تھا۔ بادل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اور اب ایکدم بارش شروع ہوگئی۔

پہلا : ارے صاحب! ابھی برسات ختم کہاں ہوئی ہے۔ یہ تو جیسے جیٹھ دونگڑے ہیں۔ ابھی دھوپ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہوجاتی ہے۔

دوسرا : آپ نے بڑی عقل مندی کی جو چھتری لے کر باہر نکلے۔

پہلا : (ہنس کر) جناب! میں تو کبھی بغیر چھتری کے باہر نکلتا ہی نہیں۔ کسی موسم میں بھی نہیں۔ چاہے گرمی ہو...... برسات ہو یا جاڑا۔

دوسرا : اچھا! جاڑوں میں بھی آپ چھتری ساتھ رکھتے ہیں۔

پہلا : جی ہاں: ڈسمبر، جنوری کے کڑاکوں میں بھی چھتری ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہے۔

دوسرا : جی!

پہلا : ایک تو مہاوٹ سے بچاؤ ہوتا ہے دوسرے تھپیڑ بھی اس میں کم لگتی ہے۔

دوسرا : یہ تو آپ نے خوب بات کہی۔ چھتری کے اس فائدے پر تو شاید کسی نے غور ہی نہیں کیا آج تک!

پہلا : ارے صاحب! چھتری صرف دھوپ اور بارش ہی سے آپ کا بچاؤ نہیں کرتی۔ اس کے فائدے اگر میں گنوانا شروع کردوں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

دوسرا : اچھا!

پہلا : جی! لوگ سمجھتے ہیں چھتری برسات میں صرف بارش سے بچاؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن سوچیے : آپ کہیں میدان میں چلے جارہے ہیں اور ایکدم اولے پڑنے شروع ہوجائیں تو آپ کا کیا حشر ہوگا۔ خاص طور پر مجھ جیسے تالو چٹ آدمی کا جو بالکل ہی فارغ البال ہے۔

دوسرا : (ہنس کر) جی!...... جی ہاں...... جی ہاں......

پہلا : تو چھتری بارش ہی نہیں، اولوں سے بھی آپ کی حفاظت کرتی ہے۔ پھر اب دیکھیے! ہم اور آپ چلے جارہے ہیں۔ سڑک پر جابجا گڑھے ہیں جن میں پانی ٹھہرا ہوا ہے۔

دوسرا : جی ہاں! شہر کی سڑکوں کا حال تو آپ کو معلوم ہے۔

پہلا : اب فرض کیجیے سامنے سے ایک موٹر کار فراٹے بھرتی ہوئی آتی ہے۔ آپ جانتے ہیں جتنی تیز بارش ہوتی ہے سڑک پر اتنی ہی تیز موٹریں دوڑا کرتی ہیں۔

دوسرا : جی ہاں! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔

پہلا : اب کوئی تیز گاڑی آپ کے برابر سے اس کیچڑ میں سے گزرے تو آپ کی کیا گت بنے گی؟

دوسرا : کچھ نہ پوچھیے۔

پہلا : لیکن اگر آپ کے پاس چھتری ہے تو پھر کسی بات کی فکر نہیں۔ بس چھتری کو ذرا یوں نیچے کر دیجیے۔ ایسے (چھتری کو نیچے کی طرف جھکا کر)
کیچڑ کی ایک چھینٹ تو آپ پر گر جائے۔

دوسرا : واہ صاحب! کیا بات بتائی ہے آپ نے۔

پہلا : آپ بھی دل میں کہتے ہوں گے عجیب آدمی سے پالا پڑا ہے۔ لیکن اب میں چھتری کا ایک اور فائدہ آپ کو بتاتا ہوں۔

دوسرا : جی ہاں! بتائیے! آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔

پہلا : (زیرِ لب ہنسی)...... آپ چھتری لگائے اطمینان سے سڑک پر چلے جا رہے ہیں...... اور...... دور سے آپ نے دیکھا کہ آپ کا کوئی دوست یا...... یا قرض خواہ جس سے آپ بچنا چاہتے ہیں سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے؟

دوسرا : یہ تو ذرا...... مشکل سوال ہے؟

پہلا : جی نہیں! بالکل آسان۔ چھتری کو ذرا یوں ترچھا کیا (چھتری کو ترچھا کرتا ہے)
اور کترا کر اس کے برابر سے نکل گئے۔ اسے خبر تک نہ ہوگی۔

دوسرا : (زور سے ہنس کر) خوب صاحب! خوب! چھتری کا یہ استعمال بڑا دلچسپ ہے۔

پہلا : جی!...... اور سنیے...... فرض کر لیجیے کہ آپ کوئی بڑے نام نہاد یعنی کہ خود ساختہ قسم کے لیڈر ہیں۔ جو اپنے آپ کو قوم کا نیتا سمجھتے ہیں...... (ایکدم) معاف کیجیے آپ کوئی لیڈر ویڈر تو نہیں ہیں نا؟

دوسرا : نہیں بھائی نہیں! میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔

پہلا : خیر تو ایک بڑے جلسے میں آپ بھاشن دینے کھڑے ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر میں آپ پر انڈوں، ٹماٹروں اور جوتے چپلوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کیا

کریں گے بتایئے۔

دوسرا : شرافت کے ساتھ اسٹیج سے نیچے اتر آئیں گے۔

پہلا : جی نہیں !لیڈر کی یہ شان نہیں ۔اگر اس کے پاس چھتری ہے تو وہ فوراً اپنی چھتری کھول لے گا اور اسی رفتار سے اپنی تقریر جاری رکھے گا۔

دوسرا : (ہنستا ہے)

پہلا : ایک فائدہ ہو تو بتاؤں آپ کو چھتری کا۔ جب چاہو اسے لپیٹ لو۔ چھتری سے چھڑی بن گئی۔ کوئی کتّا، بلّی یا دوسرا جانور آپ کو پریشان نہیں کر سکتا۔ ہاتھ میں چھتری لے کر چلنے میں جو شان ہے، اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ آپ کی شخصیت میں بزرگی کی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے دیکھنے والوں پر رعب پڑتا ہے۔ آپ نے لارڈ چمبرلین کا نام تو سنا ہوگا۔

دوسرا : جی ہاں !وہی جو انگلستان کے......

پہلا : وزیر اعظم تھے۔ آپ جانتے ہیں، وہ اتنے مشہور کیوں ہیں ۔اپنی چھتری کی وجہ سے، وہ ہر وقت اپنے ہاتھ میں چھتری رکھا کرتے تھے۔

دوسرا : جی ہاں......

پہلا : چین، جاپان اور ایشیا کے بہت سارے ملکوں میں تو چھتری لگانا فیشن میں داخل ہے۔ وہاں کی عورتیں، رنگ برنگ کی پھول دار، نازک نازک چھتریاں لگائے، بازاروں میں اس طرح پھرا کرتی ہیں جیسے باغ میں تتریاں اڑ رہی ہوں۔

دوسرا : خوب!

پہلا : جی ہاں !اور دنیا کے بعض ملک تو ایک قدم اور آگے نکل گئے ہیں۔ وہاں اس طرح کے ہیٹ پہنے جاتے ہیں، جن سے ایک ہی وقت میں ٹوپی اور چھتری دونوں کا کام لیا جاتا ہے۔

دوسرا : واہ! یہ تو اچھی بات بتائی آپ نے۔

پہلا : جی ہاں ! اور کہاں تک سناؤں آپ کو چھتری کے فائدے۔ اگر چھتری نہ ہوتی تو ہماری

چھاتہ فوج نہ ہوتی۔ ملک میں جا بجا سیلاب کے وقت جب لوگ پانی میں گھر جاتے ہیں تو ہوائی چھتریوں ہی کی مدد سے انھیں کھانے پینے کا سامان پہنچایا جاتا ہے۔

دوسرا : آپ بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔

پہلا : جی شکریہ! لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس طرح چل رہے ہیں جیسے یہ چھتری میرے ہاتھ میں نہیں کسی حسین جاپانی دوشیزہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے قریب آنے سے آپ جھجک رہے ہیں۔

دوسرا : جی......؟

پہلا : ارے صاحب! میرے قریب رہیے نا! آپ بھیگے جا رہے ہیں۔

دوسرا : شکریہ! شکریہ! آپ بڑے مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ چھتری کے استعمال اور اس کے فائدوں کے بارے میں تو آپ کی معلومات کا ٹھکانہ ہی نہیں!

پہلا : پہلے آپ یہ کیجیے کہ میری بائیں طرف آ جائیے۔ سامنے سے موٹر آ رہی ہے۔ میں، چھتری ادھر کر لوں گا تاکہ ہم دونوں کیچڑ سے محفوظ رہیں۔ (موٹر کے زور سے گزرنے کی آواز)

پہلا : دیکھا آپ نے چھتری کس طرح شیلڈ کا کام کرتی ہے۔

دوسرا : آپ بھی کمال کرتے ہیں۔

پہلا : افسوس اس بات کا ہے کہ جس آدمی نے چھتری جیسی کام کی چیز ایجاد کی۔ ہم اس کا نام تک نہیں جانتے۔ دیکھنے میں یہ معمولی سی چیز نظر آتی ہے۔ مگر اس کا درجہ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ایجاد سے کم نہیں۔

دوسرا : آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔

پہلا : یہ لیجیے صاحب! چوراہا آ گیا۔ آپ کو کدھر جانا ہے۔

دوسرا : جی! بس مجھے یہیں مارکٹ تک جانا ہے۔ میں چلتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ۔

پہلا : شکریہ کس بات کا؟

دوسرا : آپ نے بارش سے بچایا اور پھر چھتری کے بارے میں ایسی مزے دار اور کام کی باتیں بتائیں۔

پہلا : میں نے آپ کو چند ہی باتیں بتائی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چھتری کے اور کئی فائدے ہیں، جو آپ کو بعد میں معلوم ہوں گے۔

دوسرا : یقیناً! یقیناً!...... میں آج پہلا کام یہ کروں گا کہ ایک چھتری خریدوں گا۔

پہلا : ضرور خریدیئے...... یہ آپ کو آئندہ ہر بلا سے محفوظ رکھے گی اور اگر آپ چاہیں تو اس کے ذریعے سے آپ کو بھی تھوڑا بہت خدمتِ خلق کا موقع ملے گا۔

دوسرا : جی ہاں! اچھا شکریہ! خدا حافظ۔

پہلا : خدا حافظ! (ساز)

دکان دار : بابو جی! آپ تو جانتے ہیں، آج کل ہر چیز کے دام چڑھے ہوئے ہیں۔ پھر اس کا کپڑا بھی تو دیکھیے! اس کوالٹی کی چھتری آپ کو بازار میں ساٹھ روپے سے کم میں نہیں ملے گی۔

دوسرا : خیر اب چالیس لگا لو بس!

دکان دار : اچھا! پینتالیس دے دیجیے۔ اس سے کم نہیں ہوں گے۔ کہیے باندھ دوں۔

دوسرا : اچھا باندھ دو۔ نہیں یوں ہی دے دو۔

دکان دار : یہ لیجیے بابو جی!

دوسرا : ......میں...... (گھبراہٹ اور پریشانی کے ساتھ) میرا پرس......
میرا پرس کہاں گیا......

دکان دار : کیا ہوا بابو جی!؟

دوسرا : میرا پرس...... میرا پرس جاتا رہا......
کسی نے میرا پرس......
اوہ! چھتری......

دکان دار : چھتری!

دوسرا : وہ چھتری والا...... بدمعاش......
میرا پرس لے اڑا...... میں لٹ گیا......

کہتا تھا چھتری کے اور کئی فائدے ہیں، جو آپ کو بعد میں معلوم ہوں گے......کمینہ کہیں کا۔
(آخری الفاظ......بجلی کی زوردار کڑک میں ضم ہو جائیں۔بجلی کی گرج دیر تک سنائی دیتی رہے۔)

I لغت

(1 الفاظ:

تکلف	=	بناوٹ،ظاہر داری
رعب	=	دبدبہ
اولے	=	آسماں سے گرنے والے برف کے ٹکڑے
مہاوٹ	=	بارش
جیٹھ	=	ہندی سال کا دوسرا مہینا
دام	=	قیمت
گت	=	حالت
ٹھیر	=	سردی
دونگڑا	=	زور کی بارش

(2 مرکبات:

نام نہاد	=	برائے نام، کہنے کے لیے
خود ساختہ	=	اپنا بنایا ہوا، اپنا گھڑا ہوا
خدمت خلق	=	انسانوں کی خدمت

II مشقیں:

(1 ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

ا) پہلا شخص، دوسرے شخص کو اپنی چھتری میں آنے کے لیے کیوں کہتا ہے؟

۲) دوسرا شخص جب گھر سے نکلا تھا تو موسم کیسا تھا؟

۳) چھتری کو تر چھا کر کے کن سے بچا جاسکتا ہے؟

۴) لارڈ چیمبر لین کس بات کے لیے مشہور تھا؟

۵) چھتری سے متعلق کس بات پر پہلے آدمی نے افسوس کا اظہار کیا؟

۶) چھتری خریدنے کا ارادہ ظاہر کرنے کے بعد پہلے شخص نے دوسرے سے کیا کہا؟

2) **ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔**

۱) چھتری لیڈروں کے کام کس طرح آتی ہے؟

۲) سیلاب کے وقت چھتری کس کام آتی ہے؟

۳) ہاتھ میں شان سے چھتری لے کر چلنے سے شخصیت میں کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے؟

۴) دیگر ممالک میں چھتری کے استعمال کے بارے میں من چلے آدمی نے کیا کہا؟

۵) دکان دار نے چھتری کی تعریف کن الفاظ میں کی؟

3) **ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں ملکھیے۔**

۱) پہلے شخص نے چھتری کے کون کونسے فائدے بیان کیے ہیں، مفصل لکھیے۔

۲) ڈرامے کے انجام کی روشنی میں اس کے مرکزی خیال کی وضاحت کیجیے۔

4) **ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔**

تکلّف دام نام نہاد

خودساختہ خدمتِ خلق

III **ڈراموں کی ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔**

۱) انارکلی : امتیاز علی تاج

۲) انمول نگینے : اظہر افسر

1916 - 1998

مُردہ گھر

سبرامنیاراجے ارس چدورنگا

تخلیق کار اور تخلیق :

نام، سبرا منیاراجے ارس، کنڑا کی ادبی دنیا میں چدورنگا کے قلمی نام سے معروف ھیں۔ چدورنگا 1916 میں ضلع میسور کے قصبے کالاھلی میں پیدا ھوئے۔ ابتدائی تعلیم کا لاھلی میں حاصل کی، میسور سے بی اے کرنے کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پونے گئے لیکن گھریلو مسائل کے سبب وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کرسکے۔ مھاتما گاندھی کے افکار اور نظریات سے متاثرھو کر تحریک آزادی سے وابستہ ھوئے۔

چدو رنگا کی ادبی شخصیت کے کئی رخ ھیں۔انھوں نے افسانے، ڈرامے اور ناولیں لکھیں، شاعری بھی کی، کئی ڈراموں کے لیے ھدایت کار کے فرائض بھی انجام دیے۔ لیکن ان کی اصل پھچان بہ حیثیت فکشن نگار ھی ھے۔ غریبوں اور پچھڑے طبقوں کا استحصال ، طبقاتی فرق اور سماجی نا برابری ان کے افسانوں کے خاص موضوعات ھیں۔ حقیقی زندگی کے واقعات کو کھانی کا روپ دینے میں انھیں بڑی مھارت ھے۔

چدورنگا کے افسانوں کے کئی مجموعے اور چار ناولیں شائع ھوئی ھیں۔

جن میں سے دوناولوں 'سرو امنگلا' اور 'اویالے' پر بنی کنڑا فلمیں نیشنل ایوارڈ کی مستحق قرار پائیں۔

ریاستی اور مرکزی ساھتیه اکادمی ایوارڈ نیز حکومت کرناٹك کے راجیه اتسوا ایوارڈ کے علاوہ میسور یونیورسٹی نے چدورنگا کو اعزازی ڈاکٹریٹ سے نواز کر ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔ چدورنگا 1998میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

پیش نظر کھانی 'مردہ گھر' چدو رنگا کے مشھور کنڑا افسانے 'شوادامنے' کا اردو ترجمه ھے۔ اس افسانے میں غریبوں اور ناداروں کے ساتھ ھونے والے استحصال کو خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ھے۔

یه افسانه سرکاری اسپتالوں میں ڈاکٹروں اور دیگر اسٹاف کے تساھل، غفلت اور غریب و مجبور مریضوں کے ساتھ برتے جانے والے ناروا سلوك اور استحصال کا آئینه دار ھے۔

ایك رات ، اسپتال میں ایك بے ھوش مریض کو مردہ سمجھ کر مُردہ گھر میں ڈال دیا جاتا ھے۔ رات بھر وہ مُردہ گھر میں مُردوں کے درمیان، تخیلات کی دنیا میں کھو یا، آس پاس کے مُردوں کے ساتھ پیش آئے واقعات کو اپنے تصور کی آنکھ سے دیکھتا ھے۔ یه افسانه حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ھے۔

اس کنڑا افسانے کا ترجمه نئی نسل کے نمائندہ افسانه نگار، نقاد، شاعر اور مترجم ڈاکٹر داؤد محسن نے کیا ھے۔داونگرہ میں به حیثیت پرنسپال برسرکار ڈاکٹر محسن کی تاحال تین کتابیں شائع ھوچکی ھیں۔

ٹھن--------

دیوار پر لٹکی ہوئی پرانی لمبی اور بڑی گھڑی بج اٹھی۔رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔

نیند کے خمار سے سرتو لتے بیٹھا ہوا وارڈ بوائے مُنیا اچانک چونک اٹھا۔ وہ دروازہ پر بیٹھا نائٹ ڈیوٹی کررہا تھا۔

منحوس گھڑی! نہ جانے یہاں کیوں لگائی گئی ہے۔ ایک خراٹا بھی ٹھیک سے لینے نہیں دیتی۔ ٹک ٹک کرتی رہتی ہے۔ منیا غصّہ سے گھڑی کو گھورنے لگا مگر اس کے غصّہ کا اثر بے جان گھڑی پر ہونے والا نہیں تھا اور ہوا بھی نہیں۔ وہ برابر اپنا سفر طے کرتی رہی۔

غنودگی کا عالم، دیوار سے ٹیک لگا کر سونے کی ناکام کوشش، مگر نیند اس سے بہت دور تھی۔ وہ تذبذب کا شکار ہو کر من ہی من میں بار بار دہرانے لگا۔ یہ اسپتال کا وارڈ نہیں۔۔۔۔۔

میں نائٹ ڈیوٹی پر مقرر ایک وارڈ بوائے نہیں ہوں؟

اس وقت ایک پُر درد اور دل دہلا دینے والی آواز سنائی دی۔ دیکھا گیارھویں بیڈ کا مریض پُر درد لہجے میں دل دوز سسکیاں بھر رہا ہے۔ جیسے موت اپنے بے رحم پیروں سے مسلنے کی کوشش کر رہی ہو۔

نا چاہتے ہوئے بھی مُنیا مریض کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔

مریض کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی جارہی تھی۔ منیا نے محسوس کیا کہ مریض آنکھیں بند کیے سو رہا ہے۔ لیکن اس کے کھلے منہ سے بار بار ماں۔۔ ماں۔۔۔ کی دل خراش صدا پریشان کر رہی تھی۔

مریض کی دردناک حالت دیکھ کر منیا کی نیند غائب ہوگئی۔ منیا رحم کی نگاہوں سے مریض کو غور سے دیکھنے لگا۔

شاید تکلیف ہو رہی ہے۔ ممکن ہے دودھ پلا دینے سے کچھ آرام مل جائے۔ یہ سوچ کر مُنیا نے مریض کے منہ میں دودھ ڈالا مگر ہونٹوں کی دونوں جانب سے دودھ باہر نکل آیا۔

منیا گھبرا کر مریض کو دیکھنے لگا۔ مریض کے منہ سے نکلنے والی ماں۔۔۔۔ ماں۔۔۔ کی ایک ایک آواز پر مُنیا کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ ایک لمبی سانس بھر کر منیا اپنی جگہ جا بیٹھا۔ چند منٹوں پہلے اٹھ اٹھ کر آنے والا نیند کا غلبہ بہت دور جا چکا تھا۔ کسی گہری سوچ اور فکر میں ذہن چکرانے لگا۔

اسے کونسی فکر ہوسکتی ہے۔۔۔۔۔۔

وہی گیارھویں بیڈ کی ! منحوس، ایک مہینے میں تین مریضوں کو نگل چکا تھا، شاید اب چوتھے کو

نگلنے کی تیاری کرر ہا ہے۔۔۔۔۔۔

ٹھن۔۔۔۔۔۔۔۔منیا سہم گیا۔

رات کا ایک بجا۔ یہ کہتے ہوئے منیا کا ذہنی تناؤ مزید بڑھ گیا۔قہر آلود نگاہوں سے وہ گھڑی کو گھورنے لگا۔اس کے بعد وہیں سے تمام مریضوں پر اس نے ایک نظر دوڑائی۔تمام مریض اطمینان سے سو رہے تھے۔گیارھواں بیڈ۔اب مطمئن تھا۔۔۔بالکل مطمئن۔۔۔۔۔

کیوں؟

بار بار سنائی دینے والی ماں۔۔۔۔ ماں۔۔۔کی آواز اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔

کچھ ہوا تو نہیں۔۔۔۔۔۔؟

مُنیا گیارھویں نمبر کے بیڈ کی طرف دوڑا چلا آیا۔

ہائے!!!! سانس نہیں چلتی۔۔۔۔۔۔۔۔

کیا کیا جائے؟

اور کیا؟

کیوں نہ ڈاکٹر کو بلایا جائے۔

منیا ڈیوٹی ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا۔ڈاکٹر مست سو رہا تھا۔منیا کھانسنے لگا۔

بے فکر ہو کر گہری نیند سے سویا ہوا ڈاکٹر چونک اٹھا۔ادھر ادھر دیکھا اور گھبرا گیا کہ کھانسنے والا کہیں آر۔یم۔او تو نہیں۔

منیا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔''کیوں ڈرتے ہو حجور، میں منیا ہوں۔''

یہ سن کر ڈاکٹر کی جان میں جان آئی۔

''اوہ۔۔۔۔۔تو ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ابھی گھبراہٹ باقی تھی۔

''ہاں حجور۔'' ڈاکٹر کی حالت پر منیا کو ہنسی آ گئی۔

''کیوں آیا ہے؟'' ڈاکٹر کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور یہ ایک وارڈ بوائے۔

''گیارھواں بیڈ حجور۔۔۔۔۔۔''

''گیارھواں بیڈ۔کیا گیارھواں بیڈ؟''

''وہ مریض مر گیا۔۔۔۔۔۔''

''کیا؟ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟''

''وہ مریض چلا گیا،حضور۔''

''کون؟ وہ نارائن !کلرک۔''

''جی ہاں۔''

''وہ جسے ملیریا تھا۔''

''جی ہاں،حضور۔''

''آٹھ بجے جب میں نے اسے دیکھا تو وہ ٹھیک تھا۔''

''تب ٹھیک تھا۔لیکن اب مر گیا۔آپ چل کر دیکھیے۔''

''نہیں نہیں۔۔۔۔مر جانے پر دیکھنے اور جانچنے سے کیا فائدہ۔''

''لے جاؤ مردہ گھر میں ڈال دو۔''

مردہ گھر نہایت وسیع ،لمبا اور اونچا کمرہ تھا۔جس پر اندھیروں کی حکومت تھی۔کمرہ کی ایک جانب ڈراؤنی دیوار پر اوپری حصّہ میں صرف ایک کھڑکی تھی،جس سے چاندنی گھبراتے ہوئے داخل ہو رہی تھی۔

مردہ گھر میں مردوں کے بیچ پُر درد لہجہ میں ماں ۔۔ماں ۔۔۔کرتے ہوئے بڑی مشکل سے نارائن آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھا۔

نارائن زندہ تھا!

نارائن نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں ۔ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیا۔سوچنے لگا کہ وارڈ میں ہر طرف جو بیڈ تھے وہ کیا ہوئے؟ یہاں تو ایک بھی دکھائی نہیں دیتا۔

میرا بیڈ کیا ہوا؟ میرا بیڈ بھی غائب!!!!

آہ۔۔۔۔۔کتنی سردی ہے؟ شاید میں زمین پر لیٹا ہوں۔بخار کے مریضوں کو کیا اس طرح زمین پر سلایا جاتا ہے۔؟ ان لوگوں کو شاید کوئی شرارت سوجھی ہو؟

نارائن انگڑائی لیتے لیتے رک گیا، کیوں کہ ایک نحیف آواز اندھیرا چیرتی ہوئی اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے دائیں جانب نظر دوڑائی۔ تھوڑی دوری پر چمکتا ہوا کچھ نظر آیا اور وہ اس کے قریب پہنچ کر حیرت میں پڑ گیا۔

ہی۔۔۔ہی۔۔۔۔ہی!!! سناٹوں کو چیرتی ہوئی ایک آواز کانوں سے ٹکرائی۔

کوئی مردتھا! نارائن گھبراہٹ سے تھرتھر کانپتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

ہی۔۔۔ہی۔۔۔۔ہی!!!

ادھیڑ عمر کا ایک شخص ہنستا ہوا اٹھ بیٹھا۔

عالمِ گھبراہٹ میں نارائن اسے دیکھنے لگا۔

کشادہ ماتھا، چھوٹی چھوٹی مگر تیز وطرار آنکھیں، باریک مونچھیں، چمکیلے دانت اور ہنس مکھ چہرہ۔ اس شخص کو قدرت نے شاید پیدائشی مسکراہٹ بخشی تھی۔ ہنستے ہوئے اس شخص نے نارائن پر نظر ڈالی۔ نارائن کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''اوہ! یہ ہوسکتا ہے؟۔۔۔۔۔زندوں کو بھی یہاں لایا جاسکتا ہے؟''

اس بات کو نارائن نے غور سے سنا اور کہا۔

''ارے بھائی۔۔۔۔۔یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''کیا تمہیں خبر نہیں؟ دیکھو، تم زندہ ہو مگر یہاں ڈال دیے گئے ہو۔''

''یہاں مطلب؟ کیا یہ اسپتال کا جنرل وارڈ نہیں ہے؟''

''ہو۔۔۔۔ہو۔۔۔۔ہو۔۔۔۔۔جنرل وارڈ؟ وہ یہاں سے آدھے فرلانگ پر ہے۔''

''تو پھر یہ کونسی جگہ ہے؟''

''یہ اسپتال میں مرنے والوں کی لاوارث لاشیں ڈالنے کی جگہ ہے۔۔۔''مردہ گھر''

نارائن کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ خوف کے مارے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ سر چکرانے لگا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں۔۔۔۔۔۔مردہ گھر میں۔۔۔۔؟

یہ ہو نہیں سکتا۔ بخار کی تپش سے کہیں یہ خواب نہ ہو۔

کچھ سوچنے لگتا ہے اور پھر سنبھل کر۔۔۔بُت کی مانند آخر کب تک یوں اکیلا اور تنہا یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔ وہ شخص بھلا معلوم ہوتا ہے، اس کے ساتھ تھوڑی گفتگو کیوں نہ کی جائے۔ خاموش بیٹھے رہنے سے تو بہتر ہے۔

''تم کون ہو؟''

''میں وینکٹ رامن۔۔۔۔نائی وینکٹ رامن۔''

''تم بال بناتے ہو؟''

''بناتا تھا۔۔۔ہائے کیا خوب بال بناتا تھا۔ تمام عزت دار، صاحبِ حیثیت اور صاحبِ ثروت لوگ اپنے سر میرے ہاتھوں سونپ کر اطمینان سے اخبار پڑھتے ہوئے بیٹھتے، سروں پر قینچی چلنے کا انھیں بالکل احساس نہ ہوتا۔ کام مکمل ہونے کے بعد ''اٹھو صاب'' کہتے ہوئے میں آئینہ دکھاتا۔ ہر ایک فرد یہی کہتے ہوئے میری ستائش کرتا ''اگر کوئی قابل اور بہترین نائی ہے تو وہ صرف وینکٹ رامن ہے۔''

''تو تم اس مردہ گھر میں کس طرح پہنچے ہو؟''

''یہ سب اس اسپتال کی مہربانی ہے۔''

''مطلب؟''

''سنو۔ ایک دن شام کے وقت ہمارے گاؤں کے ساہوکار کے برآمدے میں بیٹھ کر اس کا چہرہ بنا رہا تھا۔ اس کے بچّے صحن میں گیند کھیل رہے تھے۔ میں اپنے کام میں مصروف تھا۔ ساہوکار کی آنکھیں گیند پر تھیں اور وہ ہر لمحہ گیند کی طرف اپنا سر گھماتا تھا۔ اس کے چہرہ کو قابو میں رکھنا مجھے محال ہوگیا۔ میں اسی تشویش میں تھا کہ یہ کام کسی طرح جلد مکمل ہو جائے۔ اتنے میں گیند آ کر استرے والے ہاتھ پر پڑ گئی۔۔۔۔۔استرا ساہوکار کی ناک پر لگ گیا اور ناک کٹ گئی۔''

''ہی۔۔۔۔ہی۔۔۔۔ہی!!!''

''بہت اچھا ہوا۔''

''اچھا کیا ہوا؟ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ناک کاٹتے ہوئے استرا میرے بائیں ہاتھ پر لگا اور میری انگلی کٹ گئی۔''

''نا۔۔۔۔نا۔۔۔۔نا !!!''

''اس کے بعد دونوں اسی اسپتال میں علاج کی خاطر چلے آئے۔''

''کیوں۔کیا تمھیں اتنا بڑا اور گہرا زخم ہوا تھا؟''

''زخم چھوٹا تھا مگر مرض بڑا۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ بے چارہ کسی موذی مرض کا شکار تھا۔وہ مرض استرے کے ساتھ ہی میری انگلی کے خون میں سما گیا۔''

''ہائے افسوس! کیا اسپتال میں دوائیں نہیں دی گئیں؟''

''دوائیاں۔اس اسپتال میں؟ ان اسپتالوں میں غریبوں کو دوائیاں کہاں دی جاتی ہیں۔یہ سب پیسے والوں کے لیے ہیں۔ناک کٹ جانے پر بھی وہ شفا پا کر گھر چلا گیا مگر مجھے صرف انگلی زخمی ہونے پر زندگی سے ہاتھ دھو کر اس مردہ گھر میں آنا پڑا۔''

اتنے میں کچھ چمک پڑا۔

''مسالی ایک۔۔۔دو سادہ۔۔۔۔'' پکارتے ہوئے ایک لڑکے کی لاش اٹھ بیٹھی۔ نارائن بوکھلا گیا اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

نارائن کی یہ حالت دیکھ کر وینکٹ رامن کی ہنسی دودھ کی مانند ابل پڑی۔

''ہی۔۔۔۔ہی۔۔۔۔ہی!!!''

وینکٹ رامن کی ہنسی عجیب تھی۔ہنسی کی لہریں دھیرے دھیرے نارائن کی گھبراہٹ دور کرنے لگیں۔نارائن ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا۔

''گلاب جامن، جلیبی، سوہن پاپڑی، جہانگیر، دودھ پیڑا۔۔۔'' لڑکے کی لاش پکار رہی تھی۔بس خاموش ہو جا۔وینکٹ رامن نے ہنستے ہوئے لڑکے سے کہا۔''بے چارہ اس طرح پکار پکار کے ہمارے منہ سے رال ٹپکاتا ہے۔''

نارائن کی بے قراری بڑھنے لگی۔پوچھا۔''یہ کون ہے؟''

''وہ جو مارکیٹ کے روبرو بڑا ہوٹل ہے نا؟''

''ہاں، ہاں۔۔ ہے۔''

''یہ اسی کا ایک بیرا ہے۔''

''یہ اس مردہ گھر میں کیسے پہنچا؟''

''یہ لڑکا نہایت چست اور چالاک، دس افراد کا کام تنہا کرتا تھا۔ ''رگھو'' پکارنے پر فوراً حاضر ہو جاتا تھا۔ ہر گاہک اسی کا نام لیتا تھا۔ میں بھی کبھی کبھار اس ہوٹل میں جایا کرتا تھا۔ صبح سے کئی محلّے گھوم پھر کر، کتنوں کی حجامت بنا کر، تھکا ماندہ جب وہاں پہنچ کر بیٹھ جاتا تو یہ لڑکا فوراً حاضر ہو جاتا۔ اب جو اس کے چہرہ پر چمک ہے وہی چمک اور مسکراہٹ اس کے چہرہ پر ناچتی رہتی تھی۔ اس کے ہاتھوں ایک گلاس پانی پی لینے پر ساری جسمانی تھکن دور ہو جاتی تھی۔''

وینکٹ رامن نے ہنستے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہوٹل کا کام دن بدن بڑھتا رہا۔ دہلی کا بھدری سیٹھ روپیوں سے تجوری بھرنے لگا۔ ایک دن اس لڑکے کو تیز بخار آ گیا۔ اسی حالت میں کام کرتا رہا، بخار بڑھتا گیا۔ لڑکے نے مالک سے گاؤں جا کے صحت یاب ہو کر واپس آنے کی درخواست کی۔ وہ سیٹھ جو اسی طرح کے نونہالوں کا استحصال کر کے دولت مند بن گیا تھا۔ کہنے لگا۔''

''ایک دو دن میں بخار کم ہو جائے گا۔ آج کل جشن نو روز کے دن ہیں۔۔۔۔ بخار کا بہانہ کر کے تُو گاؤں جانا چاہتا ہے۔ کم بخت۔ چل کام کر۔''

''کتنے کم ظرف لوگ ہیں۔''

''بیرے کی حالت دن بدن بگڑنے لگی۔ بخار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انتہا کو پہنچا۔''

''کیا اس حالت میں بھی سیٹھ کو رحم نہیں آیا؟''

''ہی۔۔۔۔ ہی۔۔۔۔ ہی!! رحم! رحم کیا ہے انھیں کیا معلوم۔ اس نے ایک بڑا فرض یہ ادا کیا کہ شدتِ بخار میں اس کو اسپتال میں بھرتی کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح جلتی ہوئی کڑھائی سے نکال کر جلتی آگ پر ڈالنے کی مانند۔ اسپتال والوں نے سیٹھ سے زیادہ بے رحمی برتی۔ وقت پر دوا اور نہ ہی غذا۔ پہروں بعد کوئی دیکھنے آتا۔ اس طرح اسپتال والوں نے اپنے ہاتھوں سے اس لڑکے کو موت کی نیند سلا دیا۔''

وینکٹ رامن رک کر اپنا چہرہ پونچھنے لگا۔

پھر ایک بجلی چمکی!

لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے ایک بوڑھا اٹھ بیٹھا۔

نارائن سوال کرنے سے پہلے ہی وینکٹ رامن کہنے لگا۔''اسے دیکھو۔وہ ایک بھنگی ہے۔شہر کے گلی کوچے صاف کرنے کی ذمہ داری مونسپلٹی والوں نے اسے سونپی تھی مگر اس کے قیام کا معقول انتظام نہیں کیا گیا تھا۔''

''افسوس!''

''ہمیشہ غلاظت میں رہنے اور گندگی اٹھانے سے خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔''

''کیسے نہ ہوتا!''

''علاج کے لیے اسپتال پہنچا۔یہ بے درد اسپتال میں بھرتی کر لینے والے کب تھے۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''بوڑھا لڑکھڑاتے ،گرتے اٹھتے اور کانپتے ہوئے اسپتال کے سامنے راستے کی ایک جانب فٹ پاتھ پر پڑا رہا۔۔۔۔۔۔اسی دوران ایک دن وزیرِ صحت کی اس راستے پہ آمد کی خبر پھیلی ۔وزیرِ صحت کی نظریں اس منحوس بوڑھے پر کہیں پڑ نہ جائیں۔عہدیدارانِ اسپتال نے وقتی طور پر اسے اٹھا کر اسپتال میں بھرتی کر لیا۔اسپتال میں لانا کیا تھا، چند ہی دنوں میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

جان کیا گئی ، اسے اٹھا کر مردہ گھر میں ڈال دیا گیا۔''

''ہائے افسوس! کتنے بے درد لوگ ہیں۔''نارائن کو بہت دکھ ہوا۔وہ ابھی غمگین تھا کہ اچانک سینکڑوں بجلیاں چمکنے لگیں۔پلک جھپکنے تک سینکڑوں لاشیں شور مچاتے اٹھ بیٹھیں۔زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ وہاں موجود تھے۔کسان مرد اور عورتیں ،بیج بوتے ہوئے، فصل کاٹتے ہوئے،اناج کوٹتے ہوئے۔گوالے دودھ دوہتے ہوئے، مچھیرے مچھلیاں پکڑتے ہوئے،مل کے ملازم کپڑا بُنتے ہوئے،تاگہ بناتے ہوئے اور کئی اپنے اپنے مشاغل میں مصروف۔

نارائن اگر ہوش میں ہوتا تو سمجھ پاتا کہ زندگی کتنی انمول ہے۔مگر افسوس!

یہ خوابوں کی دنیا غیر حقیقی اور اس کا ردِ عمل تھی۔

جیسے جیسے صبح روشن ہونے لگی، نارائن کا یہ حسین خواب ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔تمام لاشیں یکے بعد دیگرے سونے لگ گئیں۔سب سے آخر سونے والا وینکٹ رامن تھا۔وہ جیسے ہی۔۔ ہی۔۔۔ہی۔۔ ہی۔۔۔کرتے ہوئے سونے لگا۔مردہ گھر کا دروازہ کررر کرررر۔۔۔۔کی آواز کے ساتھ کھلنے لگا۔

دروازہ پر وارڈ بوائے منیا اور ڈیوٹی ڈاکٹر کھڑے تھے۔

نارائن نے کانپتے ہوئے انھیں دیکھا۔گھبراہٹ سے اس کا دل آندھی کی رفتار سے دھڑ کنے لگا۔باہر کی بے رحم دنیا اسے سیاہ دکھائی دی۔اس کی نظروں کے سامنے ہمیشہ روپیئے گنتے رہنے والے ساہوکار کا چہرہ،صبح سے دیر رات تک نہ ختم ہونے والا حساب وکتاب،اعداد وشمار میں سر کھپانا،مہینہ میں ایک بار آنے والی مٹھی بھر تنخواہ، ہمیشہ بیمار رہنے والی بیوی، بدنصیب بچے،جن کو ہر اعتبار سے قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ایسے کئی مناظر اس کے دماغ کے پردے پر ناچنے لگے۔وہ باہر کی دنیا میں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔مردہ گھر اس کے لیے جائے سکون تھا۔اس کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں۔دکھی دل سے آواز گونج اٹھی۔

"نہیں۔۔۔کبھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔"

نارائن پیچھے کی جانب گر پڑا۔

ڈاکٹر اور منیا، نارائن کے قریب دوڑے آئے۔دیر تک معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔"یہ وارڈ میں مرا نہیں تھا۔بخار کی تپش سے سرد پڑ چکا تھا اور خاموش ہو گیا تھا۔یہاں ڈالے جانے کے بعد اسے ہوش آیا۔چاروں جانب لاشیں دیکھ کر گھبرا کر دل کا دورہ پڑنے سے اب مر گیا ہے۔"

منیا آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگا۔"یہ بات ہے ہجور۔"

آنکھیں بند کیے سوئی ہوئی لاشیں اندر ہی اندر خاموش ہنس رہی تھیں۔

اس وقت بھی وینکٹ رامن کی ہی۔۔۔ہی۔۔۔ہی۔۔۔۔نہ سنائی دینے والی ہنسی ناچ رہی تھی۔اس کی ہنسی ڈاکٹر اور منیا نہیں سن سکے،صرف کلرک نارائن سن رہا تھا اور اس کا سفید چہرہ مسکرا رہا تھا۔

I لغت

1) الفاظ:

غنودگی	=	اونگھ، نیند، خمار
تذبذب	=	شک وشبہ، ششش وپنج
موذی	=	نقصان پہنچانے والا

2) مرکبات:

دل خراش	=	جانکاہ، تکلیف دہ
قہرآلود	=	غصہ سے بھرا ہوا
صاحبِ ثروت	=	دولت مند
تیز وطرار	=	چالاک، شوخ

3) محاورات:

دل دہلا دینا	=	خوف کھانا، ڈرنا
رونگٹے کھڑے ہونا	=	سہمنا، ڈرنا، کانپنا
آنکھیں پھٹی رہ جانا	=	حیران ہونا

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب ایک جملے میں لکھیے۔

۱) منیا کی نیند کیوں غائب ہوگئی؟

۲) ہوش میں آنے کے بعد نارائن نے خود کو کہاں پایا؟

۳) لوگ وینکٹ رامن کی ستائش کیا کہتے ہوئے کرتے؟

۴) لڑکے کی لاش کیا پکار رہی تھی؟

۵) بھنگی، بیماری میں مبتلا کیوں ہوا تھا؟

۶) مردہ گھر میں نارائن کی موت پر سوئی ہوئی لاشیں کیا کر رہی تھیں؟

2) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) مردہ گھر کیسا تھا؟

۲) وینکٹ رامن کون تھا اور اس نے اپنا تعارف کیسے کرایا؟

۳) مردہ گھر میں کن لوگوں کی لاشیں شور مچاتے اٹھ بیٹھیں؟

۴) عہدیداران اسپتال نے بوڑھے بھنگی کو اسپتال میں کیوں بھرتی کرلیا؟

۵) مردہ گھر میں نارائن کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے کیا کہا؟

3) ان سوالوں کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔

۱) وارڈبوائے منیا، گیارہویں بیڈ کے مریض کو دیکھ کر کیوں بے چین ہوا اور اس نے کیا کیا؟

۲) وینکٹ رامن نے ہوٹل کے بیرے کی موت کی تفصیل کس طرح بیان کی؟

۳) بھنگی کن حالات میں مردہ گھر پہنچا؟ مفصل لکھیے؟

۴) صبح مردہ گھر کے دروازے پر منیا اور ڈاکٹر کو دیکھ کر نارائن کی کیا حالت ہوئی اور انجام کیا ہوا؟

4) متن کے حوالے سے ان جملوں کی تشریح کیجیے۔

۱) ''نہیں نہیں! مر جانے پر دیکھنے اور جانچنے سے کیا فائدہ۔ لے جاؤ مردہ گھر میں ڈال دو''۔

۲) ''یہ اسپتال میں مرنے والوں کی لاوارث لاشیں ڈالنے کی جگہ ہے۔ مردہ گھر!!''۔

۳) ''بخار کا بہانہ کر کے تو گاؤں جانا چاہتا ہے کم بخت۔ چل کام کر''۔

5) ان مرکبات و محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

دل خراش	ردِعمل	صاحبِ حیثیت
آنکھیں پھٹی رہ جانا	دل دہلا دینا	

III ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے۔

۱) ماستی کی کہانیاں : حمید الماس

۲) کنڑا ادب : خلیل مامون/عزیز اللہ بیگ

IV عملی کام: کسی مختصر کنڑا/انگریزی کہانی کا اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کیجیے۔

نظمیں

حمد

امجد حسین حافظ کرناٹکی

تخلیق کار اور تخلیق :

امجد حسین نام، حافظ تخلص، جہانِ شعر و ادب میں حافظ کرناٹکی کے نام سے معروف ہیں۔ وہ 18، جون 1964کو ضلع شموگہ کے تعلقہ شکاری پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں آپ نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر عصری تعلیم حاصل کی۔ ادیب کامل اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔ اس کے بعد پیشۂ تدریس سے وابستہ ہو کر لگ بھگ پندرہ سال سرکاری مدرسہ میں معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

قوم کے نو نہالوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ فکر مند اور کوشاں رہنے والے حافظ کرناٹکی نے اپنے وطن میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا،جو اپنی تعلیمی خدمات اور معیار کے سبب ریاست کے نمائندہ تعلیمی اداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ کرناٹک اردو اکادمی کے سر براہ کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔

حافظ کرناٹکی کو شعری شغف بچپن ہی سے تھا۔ دوران تدریس انہوں نے محسوس کیا کہ اردو میں بچوں کا ادبی سرمایہ بہت کم ہے۔ چنانچہ

وہ ادب اطـفـال کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنی فطری ذھانت و فطانت سے قلیل عرصہ میں اردو ادب اطفال کو مالا مال کیا۔

حـافـظ کـرنـاٹکی کو نثرو نظم دونوں پر یکساں مہارت حاصل ھے ۔ وہ بـچـوں کـی نـفسیـات سے پـوری طـرح واقف ھیـں۔ اس لیے بچوں کی پسند کے مـوضـوعـات کـو بـچـوں کے معیار کی عام فھم ، آسان اور دلکش زبان میں پیش کرتے ھیں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی منظوم سیرت 'ھمارے نبیؐ' حافظ کرناٹکی کی تـاریـخ سـاز کتـاب ھے۔ تاحال ان کی پینتالیس کتابیں منظر عام پر آچکی ھیں۔ جـن میـں مـعـصـوم تـرانـے، ذکـر نبیؐ، نور وحدت، شمع ھدیٰ، زمزمے، رباعیات حافظ، معصوم غزلیں اور اظھار قابلِ ذکر ھیں۔

بـلاشبـہ حافظ کرناٹکی اردو ادب میں ادب اطفال کے سب سے فعال اور قد آور شاعر اور ادیب ھیں۔

ذیل کی حمد میں حافظ کرناٹکی نے اللّٰہ رب العزت کی متنوع صفات کی تـعـریف کرتے ھوئے نہایت عجز و انکساری سے اس کی رحمتوں اور عنایتوں کی دعامانگی ھے۔

عجب تیری قدرت ہے پروردگار
نمونے ہیں قدرت کے لیل و نہار
کِیا لفظِ کُن سے یہ عالم عیاں
بشر کیسے کر پائے اِس کا بیاں
کھڑا ہے ستوں کے بغیر آسماں
نظر آئے گنبد یہ سارا جہاں

قمر، کہکشاں، آفتاب و زمیں
ہیں گردش میں سب، کیا مکاں کیا مکیں
یہ ساکت پہاڑ اور رواں آبشار
تری کارسازی کے ہیں شاہ کار
کسی معجزے سے یہ کم تو نہیں
کہ دانوں کو گلشن بنائے زمیں
ہر ایک اسم ہے با مسمّٰی ترا
تُو رزّاق ہے من و سلویٰ ترا
تُو حافظ بنے اور حفاظت کرے
تُو ناصر بنے اور اعانت کرے
تُو واحد ہے یکتا ہے تُو لاشریک
کہے دل بھی اللہ ھو لا شریک
جو سلطاں کو چاہے بنادے فقیر
حقیروں فقیروں کو شاہ و امیر
فنا ہو کے رہ جائے گی کائنات
جو باقی رہے گی وہ ہے تیری ذات
تُو چاہے تو حافظ بھی ہو خود کفیل
میں سائل ہوں یا رب تو نعم الوکیل

I لغت:

1) الفاظ

پروردگار = اللہ تعالٰی

ستون = کھمبا

کہکشاں = آسماں پر چھوٹے چھوٹے ستاروں کی قطار

مکیں = مکان میں رہنے والا

معجزہ = کرشمہ

2) مرکبات:

لیل و نہار = رات اور دن

کارسازی = کام کرنا

خود کفیل = اپنی کفالت خود کرنے والا

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔

۱) اللہ تعالٰی کی قدرت کے نمونے کیا ہیں؟

۲) گردش میں کون کون ہے؟

۳) کارسازی کے شاہ کار کون ہیں؟

۴) فنا اور بقا کس کو حاصل ہے؟

۵) مقطع میں شاعر نے کیا دعا مانگی ہے؟

2) ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

کہکشاں مکیں سائل لیل و نہار خود کفیل

III عملی کام:

اپنے شہر کے کسی شاعر کی ایک حمد تلاش کر کے اسے سمجھیے اور اپنی بیاض میں لکھیے۔

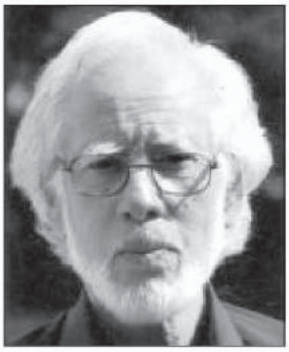

نعت

سلیمان خمار

تخلیق کار اور تخلیق :

سلیمان خمار ،یکم /مارچ 1944 کو باگلکوٹ میں پیدا ھوئے۔ ابتدائی تعلیم وھیں حاصل کرنے کے بعد بی اے کا امتحان وجئے کالج بیجاپور سے پاس کیا۔ کولھاپور یونیورسٹی سے یم اے (اردو و فارسی) میں امتیازی کامیابی حاصل کی ۔1964میں محکمۂ تعلیم میں ملازم ھوئے اور 2002میں انچارج گزیٹڈ اسسٹنٹ کی حیثیت سے وظیفه یاب ھوئے۔ سلیمان خمار ان دنوں بیجاپور کے کئی ادبی و تعلیمی اداروں سے وابسته ھو کر اردو زبان و ادب اور تعلیم کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ھیں۔

سلیمان خمار نے زمانۂ طالب علمی سے شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ان کی پھلی غزل 1961میں شائع ھوئی ۔ نھایت قلیل عرصه میں انھوں نے جدیدیت کے قافلے کے رھروؤن میں اپنی انفرادی پھچان بنالی۔ سلیمان خمار کا کلام ھند و پاك کے تمام اھم ادبی رسائل میں ترجیحی انداز میں شائع ھوتا ھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے کئی قومی و بین الاقوامی مشاعروں میں شرکت کی۔ انھیں ھندوستانی ایمبیسی کی دعوت پر ریاض اور جدہ میں مشاعرہ پڑھنے کا اعزاز حاصل ھے۔

ان کے دوشعری مجموعے 'تیسرا سفر' اور 'سمندر جاگتا ھے' شائع ھوچکے ھیں۔نعتوں کا مجموعہ 'پیکرِ نور' زیر طبع ھے۔

کرناٹك اردو اکادمی کے ایوارڈ کے علاوہ دیگر کئی اداروں نے انھیں اعزازات سے نواز کر ان کی شعری خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ھے۔

سلیمان خمار نے نعت گوئی کو ایك فن سمجھ کر نھیں بلکه عبادت سمجھ کر اپنایا ھے۔ زبان کی سادگی اور جذبه کی سچائی کے ساتھ ساتھ اظھار کی جدت و ندرت ان کی نعتوں کی خاص خصوصیات ھیں۔ زیرِ نظر نعت میں سلیمان خمار نے سیرتِ طیبہؐ کے چند پھلوؤں کا احاطه کرتے ھوئے رسول اکرمؐ سے اپنی والھانه عقیدت کا اظھارکیاھے۔

شان و شوکت کی حد نہیں کوئی
ان کی عظمت کی حد نہیں کوئی

وہ شفاعت کریں گے محشر میں
اور شفاعت کی حد نہیں کوئی

رب نے بخشا ہے وہ مقام ان کو
جس کے رفعت کی حد نہیں کوئی

ہے تو اُمّی لقب، مگر ان کے
علم و حکمت کی حد نہیں کوئی

شہد ٹپکے ہے ان کی باتوں سے
اس فصاحت کی حد نہیں کوئی

یوں تو سارے خزانے ان کے ہیں
پر قناعت کی حد نہیں کوئی

خود خدائے کریم کی ان سے
لطف و چاہت کی حد نہیں کوئی

بن گئی آئینہ شبِ معراج
رب سے قربت کی حد نہیں کوئی

رحمت العالمین ہیں وہ خمار
ان کی رحمت کی حد نہیں کوئی

I لغت:

1) الفاظ

شان	=	قدرومنزلت
اُمّی	=	ان پڑھ
شفاعت	=	سفارش کرنا،بخشوانا
فصاحت	=	خوش بیانی
رفعت	=	بلندی

قناعت = تھوڑی چیز پر راضی رہنا

لطف و چاہت = عنایت و مہربانی

(2 مرکبات:

رحمت العالمین = سارے عالمین کے لیے رحمت

شبِ معراج = معراج کی رات

قربتِ رب = رب کے قریب

شفاعتِ محشر = محشر کے دن شفاعت کرنا

II مشقیں:

(1 ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

ا) حضور اکرم ﷺ روزِ محشر، امت کی کیا کریں گے؟

۲) اُمّی ہونے کے باوجود حضور اکرم ﷺ میں کونسی صفت کی حد نہیں ہے؟

۳) حضور اکرم کی فصاحت کو شاعر نے کس مثال سے واضح کیا ہے؟

۴) رب سے حضور اکرم ﷺ کی قربت کا آئینہ کیا ہے؟

۵) حضور اکرم ﷺ کی رحمت کی کوئی حد کیوں نہیں ہے؟

(2 ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

شان و شوکت　　فصاحت　　رفعت

قناعت　　محشر

III عملی کام:

اپنی پسند کے کسی شاعر کی نعت کا انتخاب کیجیے اور اسے ترنم سے پڑھنے کی مشق کیجیے۔

1735 - 1830

دنیادارالمکافات ہے

نظیر اکبر آبادی

تخلیق کاراور تخلیق :

ولی محمد نام، نظیر تخلص ، ابتدائی تعلیم مولوی کاظم اورملّا ولی سے حاصل کی۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد دھلی چھوڑی اور آگرہ منتقل ھوئے اور اکبر آبادی ھوگئے۔ تمام عمر معلمی اور شاعری کرتے رھے۔

نظیر اکبر آبادی نے اردو کے دو اھم مراکز دھلی اور لکھنو سے دور رہ کر اپنی شاعری کے لیے ایك الگ شاہ راہ تیار کی ، جس پر وہ خود ھی چلے، ان کا ھم قدم کوئی نھیں تھا۔ قناعت پسند طبیعت کے سبب درباروں سے دور رھے۔ عوام کے ھر طبقے میں مقبول تھے۔ یھی وجہ ھے کہ ان کے کلام میں عوامی رنگ نمایاں ھے۔ اپنی نظموں میں انھوں نے عوامی موضوعات کو عوام کی آسان اور قابلِ فھم زبان اور بول چال کے لھجے میں پیش کیا، جس کی وجہ سے وہ 'عوامی شاعر' کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ھیں۔ علاوہ ازیں ھندوستانی تھذیب، رسم ورواج، میلوں، ٹھیلوں اور تھواروں کے علاوہ دیگر مذاھب کے رھنماؤں پر لکھی ھوئی ان کی نظموں میں یگانگت اور قومی یکتا کا رنگ غالب ھے۔

Revised Edition-2014

نظیر نے مختلف ھئیتوں میں نظمیں اتنی بڑی تعداد میں لکھی ھیں کہ ان کا شمار اردو نظم کے بنیاد گزاروں میں ھوتا ھے۔

مسدّس کی ھئیت میں لکھی گئی نظیر اکبر آبادی کی نظم 'دنیادار المکافات ھے' اخلاقیات کا درس دیتی ھے۔ شاعر نے اپنی اس نظم میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ھے کہ اس دنیا کا نظام عدل و انصاف پر مبنی ھے۔ 'جیسی کرنی ویسی بھرنی' کے مصداق یہاں انسان کو اچھائی کا بدلہ اچھائی اور برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں ملتا ھے۔ شاعر کے مطابق انسان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ اسے اسی دنیا میں مل جاتا ھے۔

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں، یہ زور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں، ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کے ساتھ مستی ہے، اور پست کرے تو پستی ہے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی یاں مان ملے
جو پان کھلاوے، پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اس کو آن ملے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں کوئی جھوٹ بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب و بے چارہ، حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے، اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
جو جیسا جیسا کرتا ہے، پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

ہے کھٹکا اس کے ساتھ لگا، جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے، جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے اور پٹکے بیچ جو ہے پٹکا
کیا کہیے اور نظیر آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

I لغت

1) الفاظ

زور	=	انوکھا، نرالا
ناؤں	=	نام
سودا	=	سامان/ دھن/لگن
مان	=	عزت
کھٹکا	=	خوف
چیرا	=	ایک قسم کی پگڑی
پٹکا	=	کمر سے باندھنے کا رومال

2) مرکبات

دست بہ دست	=	ہاتھوں ہاتھ/ بہت جلد

II مشقیں:

1) ان سوالوں کا جواب لکھیے۔

۱) یہ دنیا کیسی بستی ہے؟

۲) دوسروں کے ساتھ سلوک کا بدلہ کس طرح ملتا ہے؟

۳) کسی پر ناحق جھوٹا الزام لگانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟

۴) غیب سے جھٹکا کون کھاتا ہے؟

۵) اس نظم کے ٹیپ کے شعر کی وضاحت کیجیے۔

III عملی کام:

اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

1837 - 1914

دولت اور وقت

الطاف حسین حالی

تخلیق کار اور تخلیق :

نام الطاف حسین، تخلص حالی، پانی پت میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کا شوق انھیں دھلی لے آیا۔ یہاں انھوں نے مختلف اساتذہ سے عربی، فارسی، منطق اور صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران شیفتہ او رغالب سے فیض بھی حاصل کیا۔

حالی کو نظم ونثر دونوں میں کمال حاصل تھا۔ وہ ایک بلند مرتبہ شاعر ہی نہیں، اعلیٰ پائے کے ادیب، سوانح نگار اور نقاد بھی تھے۔ انھوں نے اردو نظم نگاری کو ایک نئی جھت عطا کی، جس کی وجہ سے انھیں جدید نظم کا بانی کھا جاتا ھے۔ سادگی، سلاست اور روانی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ھیں۔

شاعری کے ایک دیوان کے علاوہ نثر میں یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید، حالی کی اھم تصانیف ھیں۔ سرسید کی خواھش پر لکھی گئی طویل نظم مدوجزراسلام ، مسدس حالی، کے نام سے زبان زد خاص وعام ھے۔ ان کی ایک اور اھم کتاب مقدمہ شعر و شاعری ھے، جس میں انھوں نے پھلی بار شعر و شاعری کے بنیادی اصولوں پر مفصل روشنی ڈالی ھے۔

انگریزی حکومت نے انھیں شمس العلما کے خطاب سے نوازا تھا۔

مکالماتی پیرائے میں لکھی گئی حالی کی یہ نظم انسانی زندگی میں وقت کی قدر و منزلت کو واضح کرتی ہے۔ شاعر کے مطابق وقت کے مقابلے میں دولت کی اہمیت ثانوی ہے ۔ اگر انسان وقت کی قدر کرے گا تو نہ صرف وہ دنیا میں سرفراز ہوگا بلکہ اس کی آخرت بھی سنور جائے گی۔

ایک دن وقت نے دولت سے کہا　　سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تُو ہے سرمایۂ عزت یا میں　　تُو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانے میں بڑی بات تری　　دیکھیں ہم بھی تو کرامت تری
وقت سے ہنس کے یہ دولت نے کہا　　تجھ کو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب ، جس کو خدائی جانے　　اس کی خوبیوں میں شک جانے
نام اقبال ہے آنے کا مرے　　لقب ادبار ہے جانے کا مرے
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال　　لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن و جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں مگر　　میں نہ ہوں تو نہیں کچھ قدرِ بشر
چاہتے ہیں مجھے سب خُرد و کلاں　　پھرتے ہیں دھن میں مری پیر و جواں
گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو　　کسی آغاز کا انجام نہ ہو
الغرض ہے وہ مری شان عظیم　　کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جڑ سمجھتے ہیں خوشی کی مجھ کو　　میری عظمت نہیں باور تجھ کو
تُو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا　　جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا

وقت نے سن کے کہا اے دولت — شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
ساری تُوخوبیوں کی جڑ ہے مگر — اپنی جڑ کی نہیں ہے تجھ کو خبر
کیجیے فرض تجھے گر چشمہ — تو ہوں اس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تُو ہے اساسِ مکاں — پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
تُو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں — تُو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
ہے عبث تجھ کو تفوق کا خیال — تُو ہے گرمال تو میں راس المال
جن کے قبضہ میں ہے تُو اے دولت — تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود — جس کا نایاب ہے عالم میں وجود
کھوکے مجھ کو کوئی پاتا نہیں پھر — جاکے میں ہات سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجیے گنوا — لیجیے ہات اس سے ہمیشہ کو اٹھا
تُو اگر اپنی لٹادے ثروت — پر وہ ملتی نہیں پھراے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز — میرا ایک اک پل ہے ان کوعزیز
میرے جولوگ کہ ہیں قدر شناس — ہے مرا جاگتے سوتے انھیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا — مجھ کو سرمایۂ دین و دنیا
دل میں جن کے مری کچھ قدر نہیں — ان کی قسمت میں نہ دُنیا ہے نہ دیں
نہ کوئی کام ہو ان سے انجام — نہ ارادہ کوئی ان کا تمام
گُن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت — ہے مگر تنگ مجالِ فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو — بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری اک اک آن

I لغت:

1) الفاظ

فوقیت	=	بزرگی، بلندی
ادبار	=	پیٹھ پھیرنا، بدنصیبی، افلاس
تفوق	=	بڑائی
کرامات	=	کرامت کی جمع (شعبدہ)
مفقود	=	غائب، ناپید
عبث	=	فقط
تنگ	=	کم تھوڑا

2) مرکبات:

راس المال	=	پونجی، تجارتی سرمایہ

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) ایک دن وقت نے دولت سے کیا کہا؟

۲) دولت نے اپنی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟

۳) حکما اور عرفا وقت کو کیا سمجھتے ہیں؟

۴) وقت کی ناقدری کا انجام کیا ہوتا ہے؟

۵) دولت اگر کھیتی اور موتی ہے تو وقت کیا ہے؟

2) ان مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

خُرد وکلاں   سرمایۂ عزت   راس المال   حسن و جمال   پیر و جواں

III عملی کام:

وقت کی اہمیت پر کوئی پانچ شعر یا حکما کے پانچ اقوالِ زریں جمع کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

1877 - 1938

ایک نوجوان کے نام

علامہ اقبال

تخلیق کار اور تخلیق :

محمد اقبال نام، تخلص اقبال، سیال کوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی اور دیگر مشرقی علوم کی تعلیم مولوی سید میر حسن سے حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے لاھور سے کیا۔ اپنے استاد پروفیسر آرنالڈ کی ایماپر یورپ کا سفر کیا ۔ جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ایرانی فلسفے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی پھر لندن سے بیرسٹری کا امتحان پا س کرکے وطن لوٹے۔

اقبال بچپن سے شاعری کی جانب مائل تھے۔ ابتدا میں داغ دھلوی سے کلام پر اصلاح لی۔ اقبال کی شاعری کا بیش تر حصہ نظموں پر مشتمل ھے۔ رجائیت سے معمور ان کی نظمیں جھاں حرکت و عمل کا درس دیتی ھیں وھیں مغربیت سے اجتناب، بلند ھمتی، خود داری، سر بلندی اور دل و نظر کی وسعت کی تعلیم بھی دیتی ھیں۔

اسلامی طرز فکر اقبال کے کلام کا محور ھے، اسی لیے انھیں شاعرِ اسلام، کے لقب سے یاد کیاجاتا ھے۔ ان کی اردو شاعری کا سرمایہ بانگ درا، بال جبریل، اور ضرب کلیم پر مشتمل ھے۔ ارمغان حجاز ان کے فارسی اور اردو کلام کا مشترک مجموعہ ھے ۔ اقبال کے کلام کی آفاقیت نے انھیں عالم گیر شھرت عطا کی ، جس کے

اعتراف میں برطانوی حکومت نے انھیں سر کے خطاب سے نوازا تھا۔

زیر نظر نظم 'بال جبریل' سے ماخوذ ہے اس نظم کے ذریعہ اقبال نے قوم کے نوجوانوں کو روح و قلب کی بے داری کا لازوال پیغام دیا ہے۔ نوجوانوں میں درآئی تن آسانی، مذہبی اقدار سے بیزاری اور مغربی تہذیب سے دلچسپی کو موضوع بنا کر اقبال نے جہاں آدم خاکی کی عظمت کے رموز پر روشنی ڈالی ہے، وہیں نوجوانوں میں قوت ایمانی اور شانِ استغنائی کے فقدان کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل؟
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کی گنبد پر
تُو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

I لغت:

1) الفاظ

افرنگی	=	انگریز، فرنگی، یورپی
امارت	=	دولت مندی
تجلّی	=	چمک، روشنی
استغنا	=	بے نیازی
نومید	=	ناامید، مایوس
نشیمن	=	مسکن، آشیانہ
شاہین	=	سفید رنگ کا شکاری پرندہ جس کی بلند پروازی اور دور بینی کے سبب اقبال ملت کے نوجوانوں میں اس کی صفات دیکھنے کے متمنی تھے

2) مرکبات:

تن آسانی	=	آرام طلبی، کاہلی
شکوہِ خسروی	=	بادشاہانہ، شان وشوکت
زورِ حیدریؓ	=	حضرت علیؓ جیسی قوت وتوانائی
قصرِ سلطانی	=	بادشاہی محل

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) نوجوانوں کی کونسی بات شاعر کو رلاتی ہے؟

۲) اقبال نے اپنے مخاطب نوجوان میں کس چیز کی کمی محسوس کی؟

۳) نوجوانوں کو کب اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی ہے؟

۴) نومیدی کس کا سبب بنتی ہے؟

۵) شاعر کے مطابق شاہین سے مراد کون ہے؟ اور اس کی فطرت کیا ہے؟

2) کسی شعر میں مشہور واقعہ، مقام یا شخصیت کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ تلمیح کہلاتے ہیں۔ درج ذیل مصرعہ میں خط کشیدہ لفظ تلمیح ہے۔

نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ

حضرت علیؓ اپنی شجاعت اور بہادری کے لیے شہرت رکھتے تھے اور مصرعے میں شاعر نے ملت کے نوجوانوں میں حضرت علیؓ جیسی طاقت اور توانائی کے فقدان کی جانب اشارہ کیا ہے۔

III عملی کام:

اس مصرعے میں ایک اور تلمیح 'استغنائے سلمانیؓ' کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس تلمیح کی وضاحت کیجیے۔

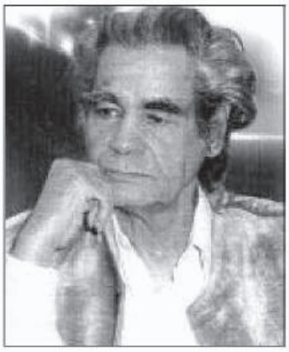

1913 - 2000

زندگی

علی سردار جعفری

تخلیق کار اور تخلیق :

علی سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے صف اول کے شاعر تھے۔ بلرام پور ضلع گونڈہ میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ ، دھلی اور علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ دوران طالب علمی ، ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوئے۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں رھنے کے بعد ممبئی چلے آئے اور یہیں مستقل قیام کیا۔

اشتراکیت کے زیرِ اثر انھوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ ان کا آھنگ انقلابی تھا۔ انسان دوستی، حریت پسندی، ظلم وجبر، استحصال اور سماجی انصاف سردار جعفری کے کلام کے اہم موضوعات رھے ھیں۔ شاعری کے علاوہ نثر میں بھی انھوں نے اپنا لوھا منوایا۔ نیا ادب اور گفتگو ، نامی رسائل جاری کیے، جن کے ذریعے انھوں نے ادب کو نئی سمت ورفتار سے روشناس کرایا۔ پرواز، خون کی لکیریں، پتھر کی دیوار، ایك خواب اور ، پیراھنِ شرر، ان کے اھم شعری مجموعے ھیں جب که نثری تصانیف میں ترقی پسند ادب کی نصف صدی، اقبال شناسی اور پیغمبرانِ سخن قابل ذکر ھیں۔

ان کی خدمات کے عوض انھیں پدم شری، سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ کے علاوہ ادب کے سب سے بڑے اعزاز گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازا گیا۔

زیر نظر نظم میں علی سردار جعفری نے زندگی اور اس کی نیر نگیوں کا مثبت جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو یا کوئی گوشہ پس پردہ یا پوشیدہ نہیں ہے۔ خالقِ کائنات نے زندگی کے ہر معاملے کو قدرت کی واضح نشانیوں کے ذریعے آشکار کیا ہے۔ اس کے نشیب و فراز میں صدھا رنگ عیاں ہیں۔ اس کے ہنگامے ہر آن روشن ہیں اور انسان کو سرگرم رہنے کی دعوتِ فکر دیتے ہیں۔

کس نے کہا کہ حاصلِ وہم و گماں ہے زندگی
کس نے کہا کہ دہر کا سرِ نہاں ہے زندگی
جتنی نہاں ہے زندگی اتنی عیاں ہے زندگی
کتنی حسین، کتنی شوخ، کتنی جواں ہے زندگی

اس کے لیے حسیں ہے دن، اس کے لیے جواں ہے رات
مثلِ تغیراتِ دہر، صرف اسی کو ہے ثبات
یہ ہے نگارِ بزمِ گل، یہ ہے عروسِ کائنات
جانِ جہاں ، شاہدِ کون و مکاں ہے زندگی

گردشِ رقص ہے کہیں، جنبشِ گام ہے کہیں
قندو نبات ہے کہیں ، تلخیٔ جام ہے کہیں
تابشِ صبح ہے کہیں، آتشِ شام ہے کہیں
اپنے ہزار رنگ میں رقص کناں ہے زندگی

مالکِ خشک و تر بھی ہے، فاتحِ بحر و بر بھی ہے
صاحبِ تاج و زر بھی ہے، خالقِ خیر و شر بھی ہے
اشک بھی ہے، گہر بھی ہے، سنگ بھی ہے شرر بھی ہے
شاہِ شاہاں ہے زندگی، میرِ جہاں ہے زندگی
اپنی نگاہِ گرم سے سنگ کے دل کو توڑتی
انجم و مہر و ماہ سے، نور کا خوں نچوڑتی
سینۂ کائنات پر نقشِ دوام چھوڑتی
صبحِ ازل سے تا ابد گرم تکاں ہے زندگی

I **لغت:**

1) **الفاظ:**

شوخ = چنچل
تغیرات = تبدیلیاں
نگار = آرائش
عروس = دلہن
دوام = پائیداری، استقلال، ہمیشگی
تکاں = ماندگی، تھکن

2) **مرکبات:**

قند و نبات = سفید شکر اور مصری
تلخیٔ جام = شراب کی تلخی، کڑواہٹ
جنبشِ گام = قدموں کی حرکت
تغیراتِ دہر = زمانے کی تبدیلیاں

سرِ نہاں	=	چھپا ہوا راز
تابشِ صبح	=	صبح کی گرمی یعنی صبح کے ہنگامے
سینۂ کائنات	=	کائنات کا سینہ یعنی کائنات کی کھلی کھلی فضا
آتشِ شام	=	شام کی حرارت یعنی جھلسا دینے والی کیفیت

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) حاصل وہم وگماں کسے کہا گیا ہے؟

۲) نظم کے تیسرے بند میں شاعر نے زندگی کے حقائق کو بیان کرنے کے لیے کن کن مرکبات کا سہارا لیا ہے۔

۳) زندگی کس کی مالک اور کس کی فاتح ہے؟

۴) زندگی کس کے نور کا خون نچوڑتی ہے؟

۵) اس نظم کے ذریعے شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟

2) ان مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱) تغیراتِ دہر　　خیر و شر　　نقشِ دوام

مہر و ماہ　　سینۂ کائنات

3) اس نظم میں مستعمل مرکبات کی فہرست بنائیے۔

III عملی کام:

اس مصرعے کو غور سے پڑھیے۔

جتنی نہاں ہے زندگی اتنی عیاں ہے زندگی

اس مصرعے میں 'نہاں' اور 'عیاں' دو ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جو معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چنانچہ اشعار یا مصرعوں میں ایسے الفاظ کا استعمال جن میں با اعتبار معنی تضاد پایا جائے، صنعت تضاد یا صنعت طباق کا نام دیا گیا ہے۔ اس نظم سے ایسے تمام مصرعے نقل کیجیے، جن میں یہ صنعت استعمال ہوئی ہے۔

کرناٹک

ضمیر عاقل شاہی

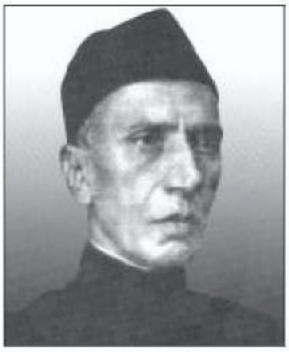

1908-1979

تخلیق کار اور تخلیق :

سید ضمیر الدین قادری نام، ادبی دنیا میں ضمیر عاقل شاہی کے نام سے معروف ہیں۔ میسور کے قصبے ھسکرہ میں پیدا ہوئے۔ کرنول، بنگلور اور وانمباڑی کے مختلف دینی مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سرکاری ملازمت کے ارادے سے لوئر سیکنڈری اور تین سالہ مولوی کورس کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ پرائمری اسکول کے مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر صندل کی اگربتی اور غازہ بنانے اور فروخت کرنے کا پیشہ اختیار کیا، جس سے وہ آخر عمر تک وابستہ رہے۔

ضمیر عاقل شاہی کو شاعری وراثت میں ملی تھی۔ ان کے والد صاحبِ تصانیف، شاعر اور نثر نگار تھے۔ ابتدا میں اپنے والد سے ہی کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ ضمیر عاقل شاہی نے مختلف اصناف شعری میں طبع آزمائی کی۔ ان کے سرمایہ کلام میں غزل، نظم، رباعی اور قطعات کے علاوہ تہنیت نامے اور تعزیت نامے کثیر تعداد میں ملتے ہیں ۔ لیکن نظم گوئی میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔مناظر قدرت ، قومی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی واقعات اور کئی ممتاز شخصیتوں

کو موضوع بنا کر انھوں نے بڑی کامیاب اور پراثر نظمیں کھی ھیں۔ وسعت نظر، روانی اور تاثر ان کی نظموں کی خاص خوبیاں ھیں۔

'لالۂ صحرا' اور 'اجالوں کا سفر' ان کے شعری مجموعے ھیں۔

ضمیر عاقل شاھی نے اپنی اس نظم میں اپنے پیارے وطن کرناٹك کی ثنا خوانی کرتے ھوئے اسے گوشۂ جنت سے تعبیر کیا ھے۔ شاعر کے مطابق سرزمین کرناٹك کا دامن جھاں خوب صورت قدرتی مناظر سے مالا مال ھے، وھیں گول گبند اور گومٹیشور کا مجسمه فن تعمیر کے لافانی شاہ کار ھیں۔ کرشن رایا اور ٹیپو کی یه دھرتی مذھبی رواداری اور بھائی چارگی کی مثال ھے تو حضرت خواجه بنده نوازؒ گیسودراز جیسے صوفی اور سنت بسویشور نے یھیں سے امن و آشتی اور خدا شناسی کا پیغام عام کیا تھا۔

ہند کا آخری حصہ یہ چمن زارِ جنوب
وہ جسے حاصل شہکاریٔ فطرت کہیے
یعنی یہ خطۂ 'کرناٹکا' یہ میرا وطن
ہے بجا اس کو اگر گوشۂ جنت کہیے
آبشاروں کی یہ تنہائیاں جنگل جنگل
سرمدی نغمہ ہے دریاؤں کا سنگم کیا ہے
جن کے آئینوں کو دھو دیتی ہے ساحل ساحل
اپنی کاویری بھی گنگا سے بھلا کم کیا ہے

چشمِ عالم نے تو بس سات عجائب دیکھے
ہائے اس ایک عجوبے پہ نظر ہی نہ گئی
'گومٹیشور' کا یہ بت اتنا بلند اتنا ملیح
وائے دنیا کی نظر سوئے ہنر ہی نہ گئی

اک ہمالہ ہی کے دامن کا مقدر تو نہیں
اور بھی پھول ہیں پائینِ چمن دیکھ ذرا
صرف اک تاج پہ رک جاتی ہے کیوں تیری نظر
'گول گنبد' میں بھی آندرتِ فن دیکھ ذرا

نام مذہب یہاں دیوار نہیں بن سکتا
'کشن راجا' کی یہ دھرتی ہے یہ 'ٹیپو' کی زمیں
ایک ہیں مندر و مسجد کے یہاں رام رحیم
اس حسیں فکر کا انداز کہیں اور نہیں

دیکھو بسویشور سنت بھی گذرا ہے یہاں
جس کی سانسوں میں تھا عرفانِ الٰہی کا گزر
عالم یاس میں انساں کے لیے وجہِ سکوں
ہے یہاں سایۂ صد عاطفتِ گیسو درازؒ

میں بھی ہوں ایک نوا سنج اسی گلشن کا
'رنّا' اور 'پمپا' سے گذرے ہیں جہاں اہلِ سخن
نصرتی کی سی دلآویز زباں ہے میری
'بیندرے' اور 'کوئمپو' کا وطن میرا وطن

مرجع اہلِ نظر میرا چمن کرناٹک
ناز ہے مجھ کو کہ ہے میرا وطن کرناٹک

I لغت:

1) الفاظ

ملیح	=	سانولا سلونا
مرجع	=	جائے پناہ، ٹھکانہ

2) مرکبات:

شہکاری فطرت	=	قدرت کا کارنامہ
سرمدی نغمہ	=	غیر فانی، دائمی، ہمیشہ رہنے والا گیت
چشمِ عالم	=	دنیا کی آنکھیں
سوئے ہنر	=	ہنر مندی کی جانب
ندرتِ فن	=	کاریگری کا انوکھا پن، عمدگی
عرفانِ الٰہی	=	خداشناسی، اللہ تعالیٰ کی پہچان
سایہ صد عاطفت	=	مہربانی یا لطف و کرم کا سایہ
نواسنج	=	بولنے والا، تعریف کرنے والا

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) ہندوستان کے جنوب میں واقع اس خطۂ کرناٹک کو شاعر کیا کہہ رہا ہے؟

۲) شاعر نے کرناٹک میں مذہبی رواداری کا بیان کس طرح کیا ہے؟

۳) شاعر نے کس عجوبے کی بات کی ہے؟

۴) اس نظم میں سنت بسویشور اور حضرت گیسو درازؒ کا ذکر کس طرح کیا گیا ہے؟

۵) شاعر نے سرزمین کرناٹک کے کن ادیبوں اور شاعروں کو یاد کیا ہے؟

III **عملی کام:** پچھلی جماعتوں کی اردو کی نصابی کتابوں میں شامل ریاست کرناٹک پر کسی ایک نظم کا موازانہ اس نظم سے کیجیے اور دیکھیے کہ کس شاعر نے کرناٹک سے متعلق کن کن باتوں کا احاطہ کیا ہے۔

1915 - 1996

خواہش

اختر الایمان

تخلیق کار اور تخلیق :

اختر الایمان، نجیب آباد بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بجنور میں حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے کے امتحانات دہلی سے پاس کیے۔ کچھ عرصہ محکمۂ اغذیہ اور آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازمت کی ۔ پھر ممبئی آئے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہوئے اور کم وبیش 40فلموں کے اسکرپٹ لکھے۔

اختر الایمان کو جدید نظم کا پیش رو کہا جاتا ہے۔ انھوں نے نظم نگاری کو نئے امکانات دیے۔ ان کا اسلوب نیا ہی نہیں، فکر انگیز بھی ہے۔ اختصار اور ڈرامائیت ان کی نظموں کی خاص خوبی ہے۔ خارجی وداخلی زندگی کے مسائل ، اعلیٰ اقدار کی جستجو اور انسانی زندگی کی بے بضاعتی اخترالایمان کی شاعری کے بنیادی موضوعات ہیں۔

تاریک سیارہ، گرداب، آب جو، نیا آھنگ، زمین زمین، انکے اہم شعری مجموعے ہیں۔ سروسامان، ان کا شعری کلیات ہے۔'آباد خرابے میں' ان کی خود نوشت سوانح ہے۔

اختر الایمان کو کئی انعامات و اعزازات سے نوازا گیا جن میں ساھتیہ

اکادمی ایوارڈ اور اقبال سمان قابلِ ذکر ھیں۔

اختر الایمان کی یہ نظم ایك معریٰ نظم ھے جس میں عموماً قافیہ نھیں برتا جاتا۔ نظم کے تمام مصرعے ھم وزن ھوتے ھیں۔ اور خیال ایك تسلسل کے ساتھ ظاھر ھوتا ھے۔ کبھی کبھی شاعر مصرعوں کے درمیان یا آخر میں قافیہ بھی لے آتا ھے۔

اس نظم میں شاعر نے عھدِ حاضر میں اعلیٰ انسانی اقدار کی زوال پذیری کو موضوع بنایا ھے۔ آج اخلاقی گراوٹ ، مکرو فریب ، خود غرضی، جھوٹ زندگی کی ھر سطح پر نظر آتا ھے۔ شاعر انسان کی ان گھناؤ نی اور شیطانی حرکتوں پر دکھ کا اظھار کرتا ھے۔ وہ سماج کے پارسا لوگوں اور رھنماؤ ں کو مخاطب کرتے ھوئے کھتا ھے کہ ایك ایسی دنیا کی تشکیل میں وہ اپنا کردار ادا کریں کہ جھاں انسان کے شر پسند اور شیطان صفت ھونے کی تھمتیں ھٹ جائیں اور یہ دنیا رھنے کی جگہ بن جائے۔

ساکن ہے ہوا اتنی
پتّا بھی نہیں ہلتا
غنچہ بھی نہیں کھلتا
اندھیر ہے کچھ اتنا
رستہ بھی نہیں ملتا
اس عہدِ سیاست میں
انسان کھلونے ہیں
جو دیو تھے بونے ہیں

افکار گھناؤنے ہیں
یہ گھومتی دھرتی بھی
اک آگ کا گولہ ہے
محرم بھی سنپولا ہے
اک جھوٹ کا چولا ہے
جو پہنے ہوئے اکثر
پھرتے ہیں کرم فرما
دن غم کا فرستادہ
شب درد کا افسانہ
منبر پہ کھڑے لوگو
ہیروں سے جڑے لوگو
سونے سے مڑھے لوگو
ہر ضابطے سے باہر
ہاتھی سے بڑے لوگو
کچھ ایسی بنا ڈالو
رہنے کی جگہ ہوجائے
کہنے کی جگہ ہوجائے
حالات پہ قابو ہے
انسان فقط شر ہے
شیطان سے بڑھ کر ہے
یہ تہمتیں ہٹ جائیں

I لغت:

(1 الفاظ:

سا کن = بے حس وحرکت

بونے = بونا کی جمع یعنی چھوٹے قد کا آدمی

دیو = دیوہیکل یعنی قد آور

سنپولا = سانپ کا بچہ

چولا = حلیہ، قالب، پوشاک

فرستادہ = بھیجا ہوا، قاصد

ضابطہ = قاعدہ

محرم = جان پہچان والا

II مشقیں:

(1 ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) شاعر کے مطابق ہوا کتنی سا کن ہے؟

۲) اس عہدِ سیاست میں انسان کیا ہو گئے ہیں؟

۳) شاعر کے مطابق آج محرم کیا بن گئے ہیں؟

۴) شاعر منبر پر کھڑے لوگوں سے کیا کہہ رہا ہے؟

۵) شاعر کے نقطۂ نظر سے کونسی تہمتیں ہیں جنھیں ہٹ جانا چاہیے؟

(2 ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

گھناؤنا سنپولا فرستادہ

ضابطہ شر

III عملی کام:

ہندوستان کے کسی دو مصلحینِ قوم کی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

افسانہ

شاذ تمکنت

1933-1985

تخلیق کار اور تخلیق :

نام ، سید مصلح الدین، دنیائے شعر و ادب میں شاذ تمکنت کے قلمی نام سے مشہور ہیں۔ نامپلی ہائی اسکول سے میٹرک ، حیدرآباد ایوننگ کالج سے بی اے اور جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔ 'مخدوم محی الدین: فن و شخصیت' کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ حیدرآباد کے مختلف کالجوں میں بہ حیثیت اردو لکچرر کام کیا۔ پھر جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ اردو میں ریڈر کی خدمات انجام دیں۔

شاذ تمکنت نے 1950کے آس پاس شاعری شروع کی۔ ان کی شاعری خارجی اور باطنی کیفیات کی عکاس ہے۔ جس میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان کی شاعری میںنئی لفظیات، اچھوتی تراکیب اور اظہار کی ندرت انھیں ان کے ہم عصر شعرا میں ممتاز کرتی ہے۔

نظم و غزل دونوں پر مساوی قدرت کے حامل شاذ تمکنت کے کل چار شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں، جن میں 'تراشیدہ' اور 'بیاضِ شام' اہم ہیں۔ شاذ کا انتقال18 / اگست1985کو ہوا ۔

زیر نظر نظم هئیت کے اعتبار سے مربع ہے۔ جس کا ہر بندچار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے مظاہرِ فطرت کی مثالوں کے ذریعے قومی یکجہتی کا پیغام دیا ہے۔کانٹے کی چبھن سب محسوس کرتے ہیں۔ سورج کی گرمی اور روشنی سب کے لیے عام ہے۔ گل کی مہك سے سب محظوظ ہوتے ہیں۔ پرندے بھی اپنے ساتھی پرندے کے مرنے کا غم یکساں محسوس کرتے ہیں۔ مگر ہم انسان کتنے بے حس ہوگئے ہیں۔ دنیا جب اکائی پر قائم ہے تو ہم زندگی میں اتحاد اور اتفاق سے کیوں نہیں رہ سکتے۔ اس طرح شاعر نے بلا لحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل تمام انسانوں سے مل جل کر بھائی چارگی اور رواداری سے زندگی بسر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

جب کوئی کانٹا چبھتا ہے
ہر اک کو چبھن دے جاتا ہے
جب سورج چرخ پر اگتا ہے
ہر گھر کو کرن دے جاتا ہے

جب کوئی پھول مہکتا ہے
گلشن میں ہویا وہ جنگل میں
تب خوشبو پھیلتی جاتی ہے
جُوڑے میں بَر میں آنچل میں

سکھ بات سے سب خوش ہوتے ہیں
دکھ بات سے سب دل روتے ہیں
جس وقت سفینے ڈوبتے ہیں
سب ساحلِ دریا روتے ہیں

آتی ہے خزاں کی رُت جس دم
سب پتے جھڑتے جاتے ہیں
جب فصلِ بہاراں آتی ہے
سب غنچے چمن مہکاتے ہیں

جب کوئی پرندہ دم توڑے
تب سارے پرندے منڈلا کر
دیتے ہیں خراجِ بال و پر
روتے ہیں تڑپ کر چلّا کر

ہم لوگ تو آخر انساں ہیں
ان سب سے گئے گذرے تو نہیں
تسبیح کہ سمرن دونوں کے
دانے ہیں وہی بکھرے تو نہیں

دُنیا ہے اکائی پر قائم
معلوم نہیں کیا شئے ہے دوئی
اک ڈور پرو لیتی ہے ، ہمیں
ممکن ہی نہیں ہو غیر کوئی

تم گنگا جل میں نہاتے ہو
میں ڈوبا آبِ کوثر میں
تم آؤ اذاں دو مسجد میں
میں دیپ جلاؤں مندر میں

I لغت:

(1 الفاظ:

چرخ	=	آسمان
رُت	=	موسم
جُوڑا	=	عورتوں کے بالوں کی گانٹھ
بر	=	زمینی حصہ
آنچل	=	دوپٹے کا سرا ، اوڑھنی کا پلو
خراج	=	نذرانہ
اکائی	=	ایک، وحدت
دوئی	=	دو
سفینہ	=	کشتی

II مشقیں:

(1 ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) جب سورج چرخ پر اُگتا ہے تو کیا کرتا ہے؟

۲) پھول کہاں کہاں مہکتے ہیں؟

۳) شاعر کے مطابق سکھ دکھ کی باتوں کا اثر کیا ہوتا ہے؟

۴) کوئی پرندہ جب دم توڑتا ہے تو سارے پرندے کیا کرتے ہیں؟

۵) اس نظم کے آخری بند میں شاعر نے کس بات کی تعلیم دی ہے؟

(3 ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

آنچل سفینہ چرخ

رت اکائی

1922 - 1978

پیارا وطن ہمارا

سلیمان خطیب

تخلیق کار اور تخلیق :

نام محمد سلیمان ، خطیب خاندان سے تھے۔ اس لیے اپنا قلمی نام سلیمان خطیب اختیار کیا۔ ضلع بیدر کے قصبے چٹگوپہ میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم رائچور اور میدک میں حاصل کی۔ حیدرآباد سے میٹرک اور پنجاب سے منشی فاضل کے امتحان پاس کیے۔ کلکتہ میں واٹر ورکس کی تربیت حاصل کرنے کے بعد حکومت کرناٹک کے واٹر ورکس کے محکمہ میں بہ حیثیت میکانیکل فورمین خدمات انجام دیں۔

ظرافت، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی سلیمان خطیب کے مزاج کا حصہ تھی۔ چنانچہ انھوں نے دکنی زبان اور عوامی لب ولھجے کو وسیلۂ اظہار بنا کر ایسی نظمیں لکھیں، جن میں مزاح اور طنز کا عمدہ امتزاج ملتا ہے۔ ایک جانب جہاں ان کی نظمیں ابتدا میں ہنساتی ہیں۔ وہیں انجام تک پہنچتے پہنچتے قاری آب دیدہ ہوجاتا ہے۔ سماجی ناہمواریوں، انسانی کمزوریوں کے علاوہ مناظرِ فطرت کی عکاسی اور حب الوطنی ان کی نظموں کے خاص موضوعات ہیں۔

'کیوڑے کابن' ان کا واحد مجموعہ کلام ہے۔

حب الوطنی کے موضوع پر لکھی گئی اس نظم میں سلیمان خطیب نے اپنے پیارے وطن ھندوستان کی شان وشوکت اور عظمت کے گُن گائے ھیں۔شاعر نے جھاں وطن کے تئیں ٹیپو سلطان، گاندھی جی اور نھرو کی قربانیوں کو یاد کیا ھے وھیں اس بات کا اعتراف بھی کیا ھے کہ امیر خسرو، گوتم بدھ، اور تلسی جیسی عظیم شخصیتوں نے اپنے ھم وطنوں کو پیار و محبت اور مذھبی رواداری کا درس دیاھے۔ آخر میں شاعر اپنے پیارے وطن کی سلامتی اور خوش حالی کے لیے دعا گو بھی ھے۔

نیلے گگن میں جیسے چاندی کا اک کبوتر
دنیا کی آرزو ہے پیارا وطن ہمارا
ہر بات سیدھی سیدھی گیتا کا پاٹ جیسے
گوتم کی گفتگو ہے، پیارا وطن ہمارا
خسروؒ کے گیت جس میں تلسی کے پیارے دوہے
اک پیار کا سبو ہے، پیارا وطن ہمارا
اک آفتاب تازہ دھیرے ابھر رہا ہے
پورب کا خوب رو ہے پیارا وطن ہمارا
انمول جس کے موتی کیا لال ہیں جواہر
باپو کی جستجو ہے، پیارا وطن ہمارا
ڈرتے ہیں کب کسی سے ٹیپو کے دیش والے
بلوان کا لہو ہے، پیارا وطن ہمارا
اللہ رکھے سلامت رنگِ بہار اپنا
پھولوں کا رنگ و بو ہے پیاراوطن ہمارا

I لغت:

1) الفاظ:

دوہے	=	دو مصرعوں پر مشتمل ہندی شاعری کی صنف
پاٹ	=	سبق، درس
سبو	=	گھڑا، مٹکا

2) مرکبات:

آفتابِ تازہ	=	ابھرتا ہوا سورج
رنگِ بہار	=	بہار کا انداز، بہار کی خوبصورتی
رنگ و بو	=	خوشبو

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) شاعر نے اپنے پیارے وطن کو کس سے تشبیہہ دی ہے؟

۲) وطن کی محبت کا پیغام کس کس نے دیا؟

۳) پیارا وطن کس کی جستجو ہے؟

۴) شاعر نے ٹیپو سلطان کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

۵) وطن کے لیے شاعر نے کیا دعا مانگی ہے؟

2) ان الفاظ/تراکیب کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

خوب رو　　　رنگِ بہار　　　رنگ و بو

آرزو　　　جستجو

III عملی کام:

کسی مشہور شاعر کی حب الوطنی کے موضوع پر لکھی گئی نظم کا انتخاب کیجیے اور اسے ترنم سے پڑھنے کی مشق کیجیے۔

ایک دوست کے لیے

خلیل مامون

تخلیق کار اور تخلیق :

جدید اردو نظم کے ممتاز شاعر خلیل مامون بنگلور میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1965میں دھلی منتقل ہوئے اور آل انڈیا ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ کی حیثیت سے 1975تك کام کرتے رہے۔ پھر بنگلور لوٹ کر کچھ عرصہ روزنامہ سالار میں بطور نائب مدیر کام کیا۔ دھلی میں قیام کے دوران انھوں نے دھلی یونیورسٹی سے بی اے، اور پوسٹ گرائجویٹ انسٹی ٹیوٹ سے فلسفہ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ 1979میں پولس سروس سے وابستہ ھوئے اور بطور آئی جی پی 2010میں حسن خدمت سے سبکدوش ھونے کے بعد کرناٹك اردو اکادمی کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

خلیل مامون نے 1970کے آس پاس شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ابتدا میں شمیم کرھانی سے کلام کی اصلاح لی۔ ان کی شاعری انسان و کائنات کے مابین تعلق کو سمجھنے اور سمجھانے کی ایك ایسی کوشش کا نام ھے، جس میں تجربہ اور فکر و دانش کا خوبصورت امتزاج ملتا ھے۔ لھجے کا کھردرا پن ، احتجاج اور

طنز ان کے کلام کے امتیازی اوصاف ھیں۔

خلیل مامون کے اب تک چار شعری مجموعے 'نشاط غم' ،'آفاق کی طرف'،'جسم و جاں سے دور' اور 'بن باس کا جھوٹ' شائع ھوچکے ھیں۔ 'لسان :فلسفه کے آئینے میں ' اور 'تاثرات' ان کی نثری کتابیں ھیں۔

2011میں ان کی کتاب 'آفاق کی طرف'کو مرکزی ساھتیه اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔تخلیقی ادب کے باب میں خلیل مامون اس ایوارڈ کے لیے منتخب ھونے والے کرناٹك کے پھلے شاعرھیں۔

خلیل مامون نے اپنی اس نثری نظم میں سماج کے ان افراد کو طنز کا نشانه بنایا ھے، جو کتاب بینی کے مقابلے میں مادی آسائشوں کے حصول کی تگ و دو کو ترجیح دیتے ھیں۔ کتاب کی عظمت اور اھمیت سے بے خبر یه لوگ کتاب کے پڑھنے کو کارِزیاں اور تضیع اوقات سمجھتے ھیں۔ جب کے مطالعه نه صرف انسان کے ذھن کے بند دریچوں‌کوکھولتا ھے بلکه تھذیبی ،اخلاقی، مذھبی،سماجی سطح پر اس کی تعمیرو تشکیل کا کام بھی انجام دیتا ھے۔ بلا شبه مطالعه آدمی کو انسان بناتا ھے۔

اچھا کیا تم نے کہ
میری کتاب لوٹا دی
ویسے بھی آج کل
کتاب کون پڑھتا ہے
صوفے پر بیٹھے بیٹھے

یا
بستر پہ پڑے پڑے
ٹی وی میں سڑتا ہے
ذہن و دل میں طرح طرح کی اشیا اگ آتی ہیں
آدمی چلتا پھرتا بازار بن جاتا ہے
تم اسے پڑھ کر بھی کیا کرتے
کیا حاصل ہوتا
الفاظ سے خیال تلک جانے میں
کیا حاصل ہوتا
خیال سے خواب تلک
خواب سے نیند
اور نیند سے موت تلک جانے میں
موت سے عقبیٰ
عقبیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ
اور وہاں سے
خدا تلک جانے میں
پھر واپس اس دنیا میں آ جانے میں
کیا حاصل ہے
اس سے بہتر ہے
صبح سے شام تلک
کھاتے پیتے رہنا
ہنستے گاتے رہنا

بے شعور مرتے جیتے رہنا
شادی کرنا
روٹی پانی کے لیے
کسی مکروہ لعاب دار تھگنے موٹے سیاست داں
کے جوتے چمکانا
اور کسی کھدر پوش کو دیکھ کر
اونچی کرسی سے گر جانا
مشاعروں اور
نیم ادبی مجلسوں کی صدارت کرنا
دو کوڑی کے اخباروں میں
اپنی بے ہنگم فوٹو چھپوانا
کتاب پڑھنے سے بہتر ہے
جوتوں کی طرح
اپنی قسمت چمکانا
پھر اس آئینے میں
اپنی ہی صورت کو دیکھنا
دل ہی دل میں خوش ہو جانا
اور پھر اس مسکراہٹ سے
کسی عوامی ٹوتھ پیسٹ کا
اشتہار بن جانا
کتاب پڑھنے سے بہتر ہے

I لغت:

1) الفاظ:

عقبٰی = آخرت، عاقبت

سدرۃ المنتہٰی = بیری کا وہ درخت جو ساتویں آسماں پر ہے اور جس سے آگے کوئی نہیں جا سکتا۔ حضرت جبرئیلؑ کا مقام

بےشعور = بےعقل، نادان

مکروہ = کریہہ، نفرت انگیز

بےہنگم = بےڈول، غیر موزوں

II مشقیں:

1) ان سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱) آج کا انسان کتاب پڑھنے کے بجائے کیا کرتا ہے؟

۲) ٹی وی دیکھنے کا اثر انسان پر کیا ہوتا ہے؟

۳) کتاب کے الفاظ انسان کو کہاں سے کہاں تلک لے جاتے ہیں؟

۴) کتاب پڑھنے کے بجائے شاعر صبح سے شام تک کیا کرنے کے لیے کہہ رہا ہے؟

۵) شاعر کے متعلق جوتوں کی طرح قسمت چمکا کر انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

2) اس نظم کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔

III عملی کام:

کتاب اور اس کے مطالعے کی اہمیت پر اقوالِ زریں جمع کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

غزلیں

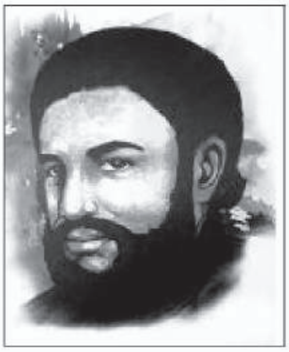

1724 - 1810

غزل

میرتقی میر

تخلیق کار :

میرمحمد تقی نام، میر تخلص ، جائے پیدائش اکبرآباد (آگرہ) ہے۔ کم عمری میں سایۂ پدری سے محروم ہوئے۔ عزیزو اقارب کی بدسلوکی اور بے مروتی سے عاجزآکر میردھلی چلے آئے ۔ لیکن یہاں بھی انھیں چین وامان حاصل نھیں ہوا تو لکھنؤ کا رخ کیا۔ مجموعی اعتبار سے میر کی زندگی بڑے آلام اور مصائب میں گزری۔

میر کم عمری میں ھی شعر گوئی کی جانب مائل ھوئے اور قلیل مدت میں بامِ شھرت پرپھنچے، میر قادر الکلام شاعر ھی نھیں، فن شاعری کے مسلم الثبوت استاد بھی تھے۔ ان کا کلام، ان کی زندگی اور عھد کا آئینہ ھے۔ سوز و گداز اور اثر و تاثیر سے معمور ان کا سادہ اور عام فھم لھجہ ایسا ھے کہ ان کی بات دل سے نکلتی اور دل کی گھرائیوں میں اترتی ھوئی محسوس ھوتی ھے۔

غزلیہ شاعری کے باب میں ان کی عظمت اور شھرت کا ثبوت یہ ھے کہ دنیائے ادب میں انھیں خدائے سخن اور شھنشاہ تغزل کے نام سے یاد کیا جاتا ھے۔

دل، دماغ و جگر یہ سب اک بار
کام آئے فراق میں اے یار

سینکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں
پر کہاں پایئے لبِ اظہار

نکلے ہے میری خاک سے نرگس
یعنی اب تک ہے حسرتِ دیدار

چار دن کا ہے مجہلا یہ سب
سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار

کوئی ایسا گناہ اور نہیں
یہ کہ کیجیے ستم کسی پر یار

میر صاحب! زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

I لغت:

(1 الفاظ:

فراق = جدائی، مفارقت

نرگس = ایک پھول جسے شعرا آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں

مجہلا = جھمیلا، بکھیڑا

سلوک = دوستی، محبت، برتاؤ

ناچار = مجبوراً

دستار = پگڑی، عمامہ

(2 مرکبات:

گرہِ دل = دل کے قبضے میں، دل کے پاس

لبِ اظہار = بات کہنے والے ہونٹ

حسرتِ دیدار = دیکھنے کی آرزو

II مشقیں:

(1 ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

سینکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں
پر کہاں پایئے لبِ اظہار

چار دن کا ہے مجہلا یہ سب
سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار

(2 ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

فراق سلوک ناچار

لبِ اظہار خاک

1796 - 1869

غزل

مرزا غالب

: تخلیق کار :

اسـد اللہ خان نام ، ابتدا میں اسداور بعد میں غالب تخلص اختیار کیا۔ آگـرہ میں پیـدا ھـوئے ۔ کم عمری میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا کے زیرِ تربیت رھے۔ اسی دوران دھلی منتقل ھوئے۔

گیـارہ سـال کـی عـمـر میں فارسی سے شعرگوئی کی ابتدا کی پھر اردو شـاعـری کـی طـرف متـوجہ ھوئے۔ اردو میں ان کا صرف ایك مختصر دیوان ھے، لیـکـن فـکـر کـی تـازگـی، مـوضوعات کی رنگا رنگی اور معنی آفرینی کے علاوہ اسلوب کی ندرت، سلاست و روانی کے سبب ان کا مختصر دیوان دیگر شعرا کے بڑے سے بڑے دیوان پر بھاری ھے۔

اردو نـثـر کـو ایك نـئـی سـمـت دیـنـے کے باب میں بھی غالب کی خدمات ناقابلِ فراموش ھیں۔ اردو کے اولین مکتوب نگار کی حیثیت سے غالب جدید نثر کے بنیاد گذار تسلیم کیے جاتے ھیں۔

بـلاشبـہ غـالب، اردو کی ایسی عظیم شخصیت کا نام ھے، جس پر اردو زبان ھمیشہ ناز کرتی رھے گی۔

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ، ہمیں کیا کام
دِیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

I لغت:

ا) الفاظ:

اعتقاد	=	یقین، عقیدہ، بھروسا
زیاد	=	بہت، افزوں
شادی	=	خوشی
بہم	=	ایک دوسرے کے ساتھ

۴) مرکبات

روزِ جزا	=	قیامت کا دن
فتنہ وفساد	=	لڑائی جھگڑا

II مشقیں:

1) ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

جو کبھی یاد بھی آتا ہے تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کے شاد نہیں

2) ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

قیامت	اعتقاد	شاد
بہم	روزِ جزا	فتنہ وفساد

III اس غزل کے مطلع کے دوسرے مصرعے کو غور سے پڑھیے۔

شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

شاعر اس مصرع میں محبوب سے جدائی کی رات کے درد وکرب کو قیامت کے عذاب سے زیادہ قرار دیتا ہے۔ اس سے شاعر کا مقصد صرف شبِ فراق کے درد وغم کی شدت کا بیان ہے چنانچہ جب کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر اس طرح بیان کیا جائے کہ اس وصف یا ذم کا کوئی اور مرتبہ باقی نہیں رہے۔ اسے شعری اصطلاح میں **مبالغہ** کہتے ہیں۔

1800 - 1852

غزل

مومن خان مومن

تخلیق کار :

مومن خان نام اور تخلص مومن ہے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم شاہ عبدالقادر سے حاصل کی، پھر علمِ طب کی کتابیں پڑھیں اور اپنا خاندانی پیشہ طب اختیار کیا۔

شاعری سے فطری مناسبت رکھتے تھے، چنانچہ شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے۔ اصناف شاعری میں قصیدہ، مثنوی ، واسوخت، رباعی، سبھی پر طبع آزمائی کی۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔لیکن ان کا خاص میدان غزل تھا۔ معاملاتِ حسن و عشق کا بیان کلامِ مومن میں غالب نظر آتا ہے۔ نزاکتِ خیال اور اسلوب کی ندرت انھیں اپنے ہم عصر شعرا میں ممتاز کرتی ہے۔

ایک ضخیم دیوان اور چھ مثنویاں مومن کی یادگار ہیں۔

کسی کا ہوا آج ، کل تھا کسی کا
نہ ہے تُو کسی کا نہ ہوگا کسی کا

کیا اس نے قتل، جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا، تماشا کسی کا

نہ میری سنے وہ نہ میں ناصحوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

جو پھر جائے اس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

دمِ الحذر اور عشقِ بُتاں سے
تجھے ڈر ہے مومن ایسا کسی کا

I لغت:

1) الفاظ:

تماشا = کھیل، عجیب بات

ناصح = نصیحت کرنے والا

2) مرکبات:

عاشق کشی = عاشق کا قتل

دم الحذر = خدا کی پناہ کا وقت

بےوفا = وعدہ پورا نہیں کرنے والا، بےمروت

بےباک = نڈر، بہادر

II مشقیں:

1) ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

جو پھر جائے اس بےوفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

دمِ الحذر اور عشق بتاں سے
تجھے ڈر ہے مومن ایسا کسی کا

2) ان مرکبات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

بےوفا بےباک عشقِ بُتاں
دم الحذر ناصح

III اس غزل کے مطلع کو غور سے پڑھیے اور بتائیے کہ اس میں کونسی صنعت استعمال ہوئی ہے۔

کسی کا ہوا آج، کل تھا کسی کا
نہ ہے تُو کسی کا نہ ہوگا کسی کا

1846 - 1927

غزل

شاد عظیم آبادی

تخلیق کار :

علی محمد نام، علمی و ادبی دنیا میں شاد عظیم آبادی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اپنی ذاتی لیاقت اور جستجو سے اردو، فارسی اور عربی کے علاوہ انگریزی علوم اور فن شاعری میں غیر معمولی مہارت حاصل کی۔

شاد نے اردو شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔ لیکن غزل کے میدان میں انھوں نے خاص جوہر دکھائے۔ ان کی غزلیں ترنم، شیرینی، کیف و سرور اور اثر و تاثیر کی بدولت اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔ مشکل سے مشکل مضامین کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں اداکرنے پر شاد کو قدرت حاصل تھی۔

شاد نے نثر و نظم دونوں میں کئی تصانیف یاد گار چھوڑی ہیں، جن میں ان کی غزلوں کا انتخاب 'نغمۂ الہام' اور خود نوشت سوانح اہم ہیں۔

ان کی علمی خدمات کے عوض حکومت نے انھیں خان بہادر کا خطاب عطا کیا تھا۔

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہوں اس کوچے کے ہر ذرے سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

ستایا آکے پہروں آرزو نے
جو دم بھر آپ میں آیا گیا ہوں

کجا میں اور کجا اے شاد یہ دنیا
کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

I لغت:

1) الفاظ

تمنا	=	خواہش
کجا	=	کہاں
الجھانا	=	پھنسانا

مضطر = بے چین

آرزو = تمنا

پہر = دن رات کے 24 گھنٹوں کا آٹھواں حصہ

(2 مرکبات :

دلِ مضطر = بے چین دل

رونقِ بزم = بزم کی رونق

II مشقیں

(1 ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

ہوں اس کوچے کے ہر ذرے سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

ستایا آکے پہروں آرزو نے
جو دم بھر آپ میں آیا گیا ہوں

(2 ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

تمنا آگاہ کوچہ

دلِ مضطر رونقِ بزم

1881 - 1951

غزل

حسرت موہانی

: تخلیق کار :

سیدفضل الحسن نام، حسرت تخلص، ضلع اناؤ کے قصبے موھان میں پیدا ھوئے ۔ عربی و فارسی گھرمیں پڑھی۔ علی گڑھ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اردو زبان و ادب کی خدمت کے جذبے کے تحت ایك ادبی رسالہ 'اردوئے معلیٰ' جاری کیا۔ جدوجھدِ آزادی میں عملی طور پر شریك ھوئے اور انگریزوں کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

حسرت کی غزل سچے، کھرے اور معصوم انسانی جذبات کی عکاسی کرتی ھے۔ ان کے لب ولھجے میں ایسی شیرینی و دل کشی اور شگفتگی و لطافت پائی جاتی ھے کہ سننے والے کے دل پر ان کے اشعار کا خوش گوار اثر ھوتا ھے۔

اردو غزل کی گرتی ھوئی ساکھ کو مستحکم بنانے میں حسرت نے اھم کردار ادا کیا۔ کلیات حسرت کے علاوہ نکاتِ سخن ، شرحِ دیوانِ غالب اور مشاھداتِ زنداں ان کی اھم نثر ی تصانیف ھیں۔

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلیِ ہم زباں سے ہم

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزلِ مراد
لیکن یہ جب کہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کس زباں سے ہم

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

حسرت پھر اور جاکے کریں کس کی بندگی
اچھا جو سراٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

I لغت:

1) الفاظ

شوق	=	خواہش، رغبت، میل
بے دلی	=	افسردگی
کارواں	=	قافلہ
مدعا	=	مقصد، مطلب

آستاں	=	دروازہ، چوکھٹ

(2 **مرکبات:**

انتہائے یاس	=	ناامیدی کی حد
منزلِ مراد	=	وہ جگہ جہاں پہنچنے کا ارادہ ہو
ابتدائے شوق	=	خواہش کی ابتدا
ہم زباں	=	ہم کلام

II **مشقیں:**

(1 **ان اشعار کی تشریح کیجیے۔**

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزلِ مراد
لیکن یہ جب کہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کس زباں سے ہم

(2 **ان الفاظ و مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔**

انتہائے یاس	مدعا	کارواں
بندگی	شوق	

(3 **اس شعر میں کونسی صنعت پائی جاتی ہے وضاحت کیجیے۔**

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

غزل

فیض احمد فیض

1911 - 1984

: تخلیق کار :

فیض احمد فیض عہدِ جدید کے نمائندہ اور ہردل عزیز شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم آبائی وطن سیال کوٹ میں حاصل کی۔ لاہور سے ایم اے کے بعد امرتسر میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ ہی عرصے بعد لاہور منتقل ہوئے اور ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ کچھ عرصہ پاکستان ٹائمز کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔

فیض نے غزل کی قدیم روایات سے استفادہ کیا اور اسے نئی انقلابی فکر سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ ان کے کلام میں قدیم عشقیہ لب ولہجہ اور انقلابی فکر کی ایسی آمیزش نظر آتی ہے، جو ان کی شاعری کو ایک نئی جمالیاتی شان عطا کرتی ہے۔ اختصار اور جامعیت کے علاوہ انداز بیان کا تیکھا پن فیض کے کلام کی خاص خوبی ہے۔

نقشِ فریادی، دستِ صبا، زنداں نامہ اور سرِوادیٔ سینا ان کی شاعری کے اہم مجموعے ہیں۔ ان کا کلیات نسخہ ہائے وفا کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں سوویت یونین کے باوقار اعزاز لینن امن انعام سے نوازا گیا تھا۔

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے، رقم کرتے رہیں گے

اسبابِ غمِ عشق بہم کرتے رہیں گے
ویرانیٔ دوراں پہ کرم کرتے رہیں گے

ہاں تلخیٔ ایام ابھی اور بڑھے گی
یاں اہلِ ستم مشقِ ستم کرتے رہیں گے

منظور یہ تلخی، یہ ستم ہم کو گوارا
دم ہے تو مداوائے الم کرتے رہیں گے

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

I لغت:

1) الفاظ:

پرورش	=	پالنا، پروان چڑھانا
رقم کرنا	=	لکھنا،تحریر کرنا
بہم کرنا	=	فراہم کرنا، مہیا کرنا
اسباب	=	سامان،سبب کی جمع

(2 **مرکبات:**

لوح و قلم	=	تختی و خامہ، خدا کے احکام کی تختی اور اس کے لکھنے کا قلم
اسبابِ غمِ عشق	=	غمِ عشق کا سامان، محبت کے دکھوں کا سبب
ویرانیٔ دوراں	=	زمانے کی بے رونقی، زمانے کی بربادی
تلخیٔ ایام	=	زمانے کی تلخی، زمانے کی کڑواہٹ
مداوائے الم	=	غم کا علاج، الم کی تدبیر
طرزِ تغافل	=	بے پرواہی کا انداز، جان بوجھ کر غفلت برتنے کا انداز
عرضِ تمنا	=	تمنا کا اظہار، تمنا کی گزارش
اہلِ ستم	=	ظلم و ستم ڈھانے والا
مشقِ ستم	=	ستم کی مہارت، ظلم میں اضافہ

II **مشقیں:**

(1 **ان اشعار کی تشریح کیجیے۔**

اسبابِ غمِ عشق بہم کرتے رہیں گے
ویرانیٔ دوراں پہ کرم کرتے رہیں گے

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

(2 **ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔**

پرورش	رقم	ستم
کرم	گوارا	

III **اس غزل میں استعمال کی گئی تراکیب کی فہرست بنائیے۔**

1925 - 1972

غزل

ناصر کاظمی

تخلیق کار :

نام،سید ناصر کاظمی، قلمی نام ناصر کاظمی، انبالہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعدلاہور چلے گئے۔ جہاں تقسیم ہند کے بعد مستقل سکونت اختیار کرلی۔ لاہور کی شعری فضاؤں نے ناصر کاظمی کی شاعری کو جلا بخشی۔ اوراقِ نو اور ہمایوں جیسے موقر ادبی جریدوں کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ کچھ عرصہ حکومت پاکستان کے محکمہ زراعت میں خدمات انجام دیں، پھر ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔

ناصر کاظمی، جدید اردو غزل کے نمائندہ شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ عهد نو کی تلخ حقیقتوں ، ھجرت کا کرب اور اعلیٰ انسانی اقدار کی پامالی ناصر کاظمی کی غزل کی پھچان ھیں۔ لھجے کا دھیما پن اور طرزِ ادا کی تازگی انھیں اپنے ھم عصروں میں انفرادیت عطا کرتی ھے۔

برگ نے، پھلی بارش اور دیوان ان کے شعری مجموعے ھیں۔ صرف 47برس کی عمر میں جب ان کی شاعری شباب پر تھی، ان کا انتقال ھوگیا۔

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی مجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

تم تو یارو ابھی سے اٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

I لغت:

1) الفاظ:

لہر	=	موج
یارو	=	دوستو
جی نہ لگنا	=	بیزار ہونا
بے چراغ گلی	=	اندھیری گلی
غم نہ کر	=	اداس مت ہو

II مشقیں

1) ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

یاد کے بے نشان جزیروں سے
تیری آواز آرہی ہے ابھی

تم تو یارو ابھی سے اٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

2) ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

لہر	تازہ	جزیروں
زندگی	گلی	

1919 - 2000

غزل

مجروح سلطان پوری

تخلیق کار :

نام ، اسرار الحسن خان، قلمی نام مجروح سلطان پوری، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اعظم گڑھ کے علاوہ فیض آباد اور الہ آباد میں تعلیمی مدارج طے کیے۔ یونانی کالج لکھنو سے طبابت کی سند حاصل کی لیکن شاعری ان کے فطری رجحان سے زیادہ قریب تھی اس لیے شاعری کو ہی اپنا محبوب مشغلہ بنالیا۔

1945میں ممبئی منتقل ہوئے اور فلمی دنیا سے وابستگی اختیار کی۔ کم و بیش 330فلموں کے لیے نغمے لکھے۔ وہ ابتداهی سے ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے۔ لیکن ان کی شاعری کی کُل کائنات عهد جدید کی کشمکش اور انقلابی تصورات سے هی عبارت نهیں بلکه انهوں نے تغزل کا دامن بھی تھامے رکھا۔ لهجے کی شائستگی اور مهذب طرزِ کلام مجروح کی شاعری کی خصوصیات هیں۔

مجروح کے دو شعری مجموعے غزل اور مشعلِ جاں، شائع هوئے۔ مجروح کو ان کی خدمات کے صلے میں عالمی اردو کانفرنس ایوارڈ اور اقبال سمان سے نوازا گیا۔ علاوه از یں مجروح پهلے ایسے گیت کار هیں، جنهیں فلمی

دنیا کے سب سے بڑے اعزاز دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

جب ہوا عرفاں تو غم، آرامِ جاں بنتا گیا
سوزِ جاناں دل میں سوزِ دیگراں بنتا گیا

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایانِ شوق
خار سے گل اور گل سے گلستاں بنتا گیا

شرحِ غم تو مختصر ہوتی گئی اس کے حضور
لفظ جو منہ سے نہ نکلا داستاں بنتا گیا

دہر میں مجروحؔ کوئی جاوداں مضموں کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

I لغت:

1) الفاظ

عرفان = خداشناسی، خدا کی پہچان
شرح = وضاحت کرنا، تشریح کرنا
سوز = سوزش، جلن

جاوداں = دائمی، ہمیشہ رہنے والا

دہر = دنیا

2) **مرکبات:**

سوزِ دیگراں = دوسروں کا درد

شرحِ غم = غم کا اظہار کرنا

II **مشقیں:**

1) **ان اشعار کی تشریح کیجیے۔**

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایانِ شوق
خار سے گل اور گل سے گلستاں بنتا گیا

2) **ان الفاظ/مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔**

عرفان　　کارواں　　جانبِ منزل　　جاوداں　　دہر

3) **غزل کے اس مقطع کو غور سے پڑھیے۔**

دہر میں مجروح کوئی جاوداں مضموں کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا موضوع نہیں، جس کی حیثیت جاوداں یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ لیکن جب ان موضوعات کو میں برتا ہوں تو وہ موضوعات جاوداں ہو جاتے ہیں۔ دراصل شاعر اس شعر میں اپنی تعریف خود کر رہا ہے۔ چنانچہ کسی شعر میں شاعر اپنی تعریف آپ کرتا ہے تو اسے تعلّی کہتے ہیں۔

III **عملی کام:**

دیگر مشہور شاعروں کے کلام سے ایسے اشعار کا انتخاب کر کے اپنی بیاض میں لکھیے جن میں تعلّی پائی جاتی ہے۔

1929 - 1997

غزل

محمود ایاز

: تخلیق کار :

محمود ایاز بنگلور میں پیدا ہوئے۔ ابھی اسکول میں زیر تعلیم ہی تھے کہ خرابیٔ صحت نے ان کے تعلیمی سلسلہ کو منقطع کردیا۔ بیماری کے ایام میں علمی اور ادبی کتابوں کے مطالعہ کا خوب موقع ملا۔ پندرہ سال کی عمر تک انھوں نے 'مسدس حالی'، 'داستان امیر حمزہ'، سرشار کا 'فسانہ آزاد'، 'طلسم ھوش ربا' اور اس عہد کی تمام اہم کتابوں کے علاوہ انگریزی کتابوں کو بھی پڑھ لیا تھا۔

محمود ایاز موزونیٔ طبع اور مطالعہ کی کثرت کے زیر اثر شعر گوئی کی جانب مائل ہوئے۔ ان کی پہلی غزل 1945میں شائع ہوئی۔ پھر ہندو پاک کے تمام موقر رسائل میں ان کا کلام شائع ہونے لگا۔ عصر نو کے حساس اور منفرد لب و لہجے کے شاعر کی پہچان رکھنے والے محمود ایاز کا لہجہ پر اعتماد اور کلاسیکی انداز کا حامل تھا۔ مرصع الفاظ کاانتخاب اور نئی وضع کردہ تراکیب ان کے کلام کے تاثر میں اضافہ کرتی ہیں۔

1965میں محمود ایاز نے بنگلور سے سہ ماہی سوغات جاری کیا۔

سوغات نے جہاں نئے لکھنے والوں کی رہنمائی کی وہیں ایسی تخلیقات شائع کیں جن سے جدیدیت کی ابتدائی بنیادیں استوار ہوئیں۔ پھر انھوں نے روزنامہ سالار جاری کرکے روزناموں کی صحافت کو ایک نئے معیار اور مزاج سے روشناس کرایا۔

محمود ایاز کا تمام شعری سرمایہ ان کے واحد شعری مجموعے 'نقش برآب' میں محفوظ ہے۔ بلا شبہ شعر و ادب کا مطالعہ، اس کی تفہیم و تشریح کے معاملے میں محمود ایاز جیسی بصیرت رکھنے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

وہ نہ چاہے تو میں بینا نہ رہوں
وہ جو چاہے تو نظر بھی آئے
وہ مرے ساتھ ہے سائے کی طرح
دل کو ضد ہے کہ نظر بھی آئے
اس سے ہی اذنِ سفر مانگا ہے
اس سے ہی زادِ سفر بھی آئے
اس نے توفیق دعا بخشی ہے
اب دعاؤں میں اثر بھی آئے
کبھی آہوں سے اٹھے بادِ مراد
کبھی اشکوں میں گہر بھی آئے
ہم بھی ہیں منتظر اے شمعِ سحر
کوئی تو جھونکا ادھر بھی آئے

I لغت:

1) الفاظ

بینا	=	دیکھنے والا
گہر	=	موتی
آہوں	=	نالہ و فریاد
مُنتظر	=	انتظار کرنے والا، راہ دیکھنے والا

2) مرکبات:

اذنِ سفر	=	سفر کی اجازت، حکمِ سفر
زادِ سفر	=	سامان سفر، توشہ
توفیقِ دعا	=	دعا کی توفیق، دعا کی ہدایت
بادِ مراد	=	بادِ موافق، وہ ہوا جو آگے بڑھنے میں مدد دے
شمعِ سحر	=	صبح کا چراغ

II مشقیں:

1) ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

وہ نہ چاہے تو میں بینا نہ رہوں
وہ جو چاہے تو نظر بھی آئے

اس نے توفیقِ دعا بخشی ہے
اب دعاؤں میں اثر بھی آئے

2) ان الفاظ و مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

توفیقِ دعا   بینا   منتظر
اشک   زادِ سفر

1935 - 2002

غزل

حمید الماس

: تخلیق کار :

نام عبدالحمید، قلمی نام حمید الماس، تعلقہ شاہ پورضلع گلبرگہ کے قصبے سگر میں آنکھیں کھولیں۔ کم سنی میں یتیم و یسیر ہوئے۔ جامعہ نظامیہ سے منشی فاضل کاامتحان پاس کیا۔ ملازمت کے حصول کی مجبوری کے تحت خانگی طور پر میٹرک کیا اور محکمہ لیبر میں ملازم ہوئے۔ اسی محکمہ سے گزیٹیڈ اسسٹنٹ کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔

حمید الماس کو شعر و ادب سے شغف بچپن سے تھا۔ حیدر آباد کے ادبی ماحول میں ان کا شعری ذوق پروان چڑھا اور قلیل عرصے میں ان کا کلام ہندو پاک کے ممتازرسائل میں تواتر سے شائع ہونے لگا۔ الماس کو غزل اور نظم دونوں پر قدرت تھی۔ ان کی شاعری ان کی نجی اور عصری زندگی کے تلخ و شیریں تجربات اور حیات و کائنات کے مسائل ومعاملات کا احاطہ کرتی ہے۔ غنائیت سے بھرپور نرم اور دھیما لہجہ ان کی شاعری کی پہچان ہے۔

پہچان کا درد، جوئے سبز، برف شجرآواز، شب گرد، ان کے اہم شعری

مجموعے ھیں۔ فرمودات، مھاتما بسویشور کے وچنوں کے تراجم پر مشتمل کتاب ھے۔ جس پر انھیں ساھتیه اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ شاعری، نثر اور تراجم پر مشتمل ان کی کل 13کتابیں شائع ھوچکی ھیں۔ 'آخری ساعت سے پھلے' ان کا آخری مجموعه کلام ھے، جسے ان کی وفات کے بعد کرناٹك اردو اکادمی نے شائع کیا۔

دھند چھٹتی جائے گی منظر بدلتے جائیں گے
موسموں کے ساتھ ہم بھی گھر بدلتے جائیں گے

وضع داری میں فقیروں کی نہ فرق آئے کبھی
آلِ حاتم تو رہے گی در بدلتے جائیں گے

خوب تر کی جستجو باقی رہے گی ذہن میں
فکر وفن میں سوچ کے پیکر بدلتے جائیں گے

کارنامے عشق کے نیرنگیوں کی زد میں ہیں
فیصلے کے روز تک دفتر بدلتے جائیں گے

سرفرازی کی تمنا قلب میں رہ جائے گی
ہم کہیں کھو جائیں گے ہمسر بدلتے جائیں گے

شام تک الماس سے مانوس تھا شہر پناہ
کیا خبر تھی رات میں تیور بدلتے جائیں گے

I لغت:

(1 الفاظ

دھند	=	کہر، غبار
پیکر	=	چہرہ،صورت
نیرنگی	=	تبدیلی، مکروفریب، شعبدہ
زد	=	نشانہ،چوٹ
مانوس	=	مرغوب،پسندیدہ، جس سے اُنس ہو

(2 مرکبات:

وضع داری	=	سلیقہ،دھنگ
آلِ حاتم	=	حاتم طائی کی اولاد
خوب تر	=	زیادہ اچھا
سرفرازی	=	سربلندی،کامیابی

II مشق:

(1 ان اشعار کی تشریح کیجیے۔

دھند چھٹتی جائے گی منظر بدلتے جائیں گے
موسموں کے ساتھ ہم بھی گھر بدلتے جائیں گے

سرفرازی کی تمنا قلب میں رہ جائے گی
ہم کہیں کھو جائیں گے، ہمسر بدلتے جائیں گے

(2 ان الفاظ و مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

وضع داری سرفرازی خوب تر
مانوس پیکر

1952 - 1994

غزل

پروین شاکر

: تخلیق کار :

پروین شاکر ، کراچی پاکستان میں پیدا ہوئیں۔ ایم اے تک کی تعلیم کراچی میں ہی حاصل کی پھر ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ سے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ تقریباً 9/سال انگریزی لکچرر کی خدمات انجام دیں۔ پھر سول سروسس کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کر کے محکمہ انکم ٹیکس کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئیں۔

شاعری، پروین شاکر کو ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد ایک اچھے شاعر تھے ۔پروین شاکر اردو کی ایسی خوش اظہار، خوش کلام اور خوش طرز شاعرہ تھیں، جن کے بغیر جدید اردو شاعر ی کا منظر نامہ ادھورا ہے۔ پروین شاکر نے نسائیت کے گھرے احساسات اور جذبات کی ترجمانی نہایت عمدہ انداز میں کی ہے۔ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے ان کے پانچ شعری مجموعوں، خوش بو، صد برگ، خود کلامی،انکار اور کف آئینہ میں نسوانی جذبات کا عطر کشید ہوکر آگیا ہے۔'ماہ تمام' ان کا شعری کلیات ہے۔

پروین شاکر صرف 42سال کی عمر میں دفتر جاتے ہوئے ایک کار حادثے میں جاں بہ حق ہوئیں۔

یہ کیسا اذنِ تکلّم ہے جس کی تاب نہ ہو
سوال کرنے دیا جائے اور جواب نہ ہو

اگر خلوص کی دولت کے گوشوارے بنیں
تو شہر بھر میں کوئی صاحبِ نصاب نہ ہو

ہمیں تو چشمۂ حیواں بھی کوئی دکھلائے
تو تجربہ یہ کہے گا، کہیں سراب نہ ہو

ہماری بے جہتی کا کوئی جواز نہیں
یہ دکھ تو ان کا ہے جن کی کوئی کتاب نہ ہو

ہمارے قحط بھی اور بارشیں بھی پوری ہوئیں
ہمارے نام کا اب تو کوئی عذاب نہ ہو

بس ایک نام کا تارا سدا چمکتا رہے
گلہ نہیں جو مقدر میں آفتاب نہ ہو

I لغت:

1) الفاظ

گوشوارے = میزان، خلاصہ
سراب = دھوکا، ریت کا میدان جو دور سے پانی معلوم ہو

جواز = اجازت، جائز ہونا

عذاب = سزا، دکھ

2) **مرکبات:**

بے جہتی = بے سمتی

اذنِ تکلّم = بات کرنے کی اجازت

صاحبِ نصاب = سرمایہ دار، ایسے مال کا مالک جس پر زکواۃ دیناواجب ہو

چشمۂ حیواں = چشمۂ خضر، آبِ حیات کا روایتی چشمہ

II **مشقیں:**

1) **ان اشعار کی تشریح کیجیے۔**

اگر خلوص کی دولت کے گوشوارے بنیں
تو شہر میں کوئی صاحبِ نصاب نہ ہو

ہمارے قحط بھی اور بارشیں بھی پوری ہوئیں
ہمارے نام کا اب تو کوئی عذاب نہ ہو

2) **ان الفاظ و مرکبات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔**

بے جہتی مقدر جواز

صاحبِ نصاب گوشوارہ

III **اس شعر میں مستعمل صنعت کی نشاندہی کیجیے۔**

یہ کیسا اذن تکلم ہے جس کی تاب نہ ہو
سوال کرنے دیا جائے اور جواب نہ ہو

رباعیات

اکبر الہ آبادی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شئے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

پیری آئی، ہوئی جوانی رخصت
ساتھ اس کے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہے اب تو اس کا انتظار اے اکبر
ہم کو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

امجد حیدرآبادی

ہمراہِ کرم حسنِ عمل تلتا ہے
احسان سے بابِ لطفِ حق کھلتا ہے
ہمدردیٔ غیر میں ہے اپنا بھی بھلا
کپڑا دھونے سے ہاتھ بھی دھلتا ہے

کچھ وقت سے اک بیج شجر ہوتا ہے
کچھ روز میں اک قطرہ گہر ہوتا ہے
اے بندۂ ناصبور تیرا ہر کام
کچھ دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے

عطا کلیانوی

ذرّے ذرّے سے اک جہاں پیدا کر
خود اپنی جبیں میں آستاں پیدا کر
جینا ہے اگر خضر کا احسان نہ لے
ہر سانس سے عمر جاوداں پیدا کر

گلشن کی بہاروں پہ مٹے جاتے ہیں
پُر کیف نظاروں پہ مٹے جاتے ہیں
ظلمت کو پرکھنے کی نظر کس کو ہے
سب چاند ستاروں پہ مٹے جاتے ہیں

I لغت:

(1 الفاظ

پیری = بوڑھاپا
جبیں = پیشانی
گہر = موتی
آستاں = چوکھٹ، دروازہ

(2 مرکبات:

لطفِ زندگانی = زندگی کا مزہ
جہانِ فانی = فنا ہونے والی دنیا
حسنِ عمل = اچھے کام
بابِ لطفِ حق = اللہ کے فضل و کرم کا دروازہ
بندہ ناصبور = بے صبر، بے قرار انسان
عمرِ جاوداں = ہمیشہ زندہ رہنا
پرکیف = خوب صورت، دل کو لبھانے والے

اصنافِ شعروادب

داستان

داستان ایک ایسی طویل کہانی کو کہتے ہیں جس میں خیالی واقعات کا بیان، مافوق الفطرت عناصر کی تحیّر خیزی، حسن وعشق کی رنگینی، واقعات وحوادث کی بہتات وپیچیدگی اور بیان کی لطافت ہو، داستان کا اہم مقصد قاری کو فرحت ومسرت کا سامان مہیا کرنا ہوتا ہے۔ داستانوں میں منظر نگاری اور جذبات نگاری کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ ان میں رزم وبزم، جشن وجلوس، رقص وسرود اور دشت وبیابان اور صحراؤں کے علاوہ چمن اور باغات کی منظر کشی کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ داستانوں میں بے جا مبالغہ آرائی اور تصنع سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں محاوروں، کہاوتوں، تشبیہوں، استعاروں، تمثیلوں اور ترکیبوں کے بے بہا جواہرات پائے جاتے ہیں۔ داستانوں کی زبان عموماً مسجع اور مقفیٰ ہوتی ہے۔ اردو کی اکثر داستانیں فارسی اور عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ دورِ حاضر میں داستانوں کا رواج بالکل نہیں پایا جاتا ہے۔

ناول

ناول دراصل داستانوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ داستانیں زوال پذیر معاشرے کی پیداوار ہیں تو ناول ترقی پذیر معاشرے کی دین ہے۔ ناول کا فن ایک مخصوص نقطۂ نگاہ سے زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔ حقیقت کو تخلیق کا روپ دے کر یا تخلیق کو حقیقت کا جامہ پہنا کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے، جس میں قصّہ کی حیثیت سے اس کے تمام اجزا میں تال میل اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ فنی اعتبار سے پلاٹ ،کردار، مکالمے، منظر نگاری، عروج کے علاوہ نظریۂ حیات کو ناول کے اہم اجزائے ترکیبی قرار دیا گیا ہے۔

افسانہ

مصروفیاتِ زندگانی کے پیش نظر جو نئی نثری اصناف وجود میں آئیں، ان میں افسانے کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ افسانہ زندگی کی ایک جھلک کو پیش کرتا ہے اور اس کے لئے شرط ہے کہ اسے ایک نشست میں پڑھا جا سکے۔ افسانہ میں صرف ایک قصّہ کو مرکزیت دی جاتی ہے اور اس کو موثر انداز میں پیش

کیا جاتا ہے۔اس میں آغاز،مرکزی خیال،عروج اور خاتمہ کا ہونا از حد ضروری ہے۔

ڈراما

ڈراما کو سنسکرت میں ''درشیہ کاویم'' کہا جاتا ہے جس کے معنی 'دیکھنے کی نظم' کے ہیں۔کیونکہ ڈراما صرف پڑھنے سے نہیں بلکہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس لیےاس میں اسٹیج کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ڈراما کا شمار دنیا کی قدیم اصناف میں ہوتا ہے۔ڈراما انسانی زندگی کو عملی انداز میں پیش کرتا ہے۔مکالموں اور کرداروں کے ذریعہ ڈراما کے واقعات اور قصہ کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔جس میں کردار جذباتی اور فن کارانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ڈرامہ میں قصہ، پلاٹ،مرکزی خیال،آغاز،کردار،مکالمے ،منظر نگاری،تصادم،عروج اور خاتمہ جیسے اجزائے ترکیبی خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

سوانح

سوانح نگاری کا فن انگریزی ادب کی دین ہے۔اس میں زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق رکھنے والی کسی مشہور شخصیت کے حالاتِ زندگی اور اس کے کارناموں کی روداد بیان کی جاتی ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ سوانح نگار سب سے پہلے تحقیق کر کے تمام ضروری حالات وکوائفِ زندگانی جمع کرےاوراس کے بعد ترتیب دے کر پیدائش سے وفات تک زندگی کے تمام اہم واقعات اور کارناموں کو تسلسل کے ساتھ اس طرح پیش کرے کہ اس کی سچی تصویر قاری کے سامنے آجائے۔سوانح میں کسی انسان کی سیرت کو اس کے عہد بہ عہد حالاتِ زندگی، خارجی اثرات اور کارناموں کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔اگر کوئی قلم کار اپنے حالاتِ زندگی خود تحریر کرے تو اس سوانح کو خود نوشت سوانح کہیں گے۔

خاکہ

خاکہ کی صنف سوانح سے کافی مماثلت رکھتی ہے،لیکن خاکہ کو ایک مستقل صنف کا مقام حاصل ہے۔اس میں کسی شخص کی شخصیت کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔خاکہ میں اختصار اور اشاروں کنایوں میں شخصیت کی سیرت کے ایسے نقوش ابھارے جاتے ہیں کہ مذکورہ شخصیت کی ایک زندہ اور حقیقی تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔خاکہ نگاری میں ذاتی مشاہدات ، تعلقات اور تجربات کا کافی عمل دخل رہتا ہے۔خاکہ میں شخصیت کی صرف خوبیاں بیان کر کے اسے فرشتہ بنا کر اور نہ ہی صرف اس کی خامیاں بیان

کر کے اسے شیطان کی صورت پیش کیا جانا چاہیے۔ خاکہ کا فن اختصار کا متقاضی ہوتا ہے اور اسے چاول کے دانے پر قل ہو اللہ لکھنے کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔

تنقید

تنقید کا لفظ 'نقد' سے نکلا ہے، اس کے معنی پرکھنے کے ہیں۔ یعنی کسی فن پارے کو فنی نقطۂ نظر سے جانچنے، پرکھنے اور ادبی میزان پر رکھ کر تولنے کو تنقید کہتے ہیں۔ تنقید میں فن پارے کے محاسن اور عیوب کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ پرکھ، جانچ، موازنہ، تقابلی مطالعہ، تجزیہ نقد و تشریح وغیرہ طریقۂ کار سے فن کار کو فن پارے کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ تنقید کا اہم مقصد فن پارے کا صحیح مقام متعین کرنا اور ادب کی اصلاح کرنا ہے۔ اس کے بغیر ادب پارے کی پہچان، فن اور فن کار کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

مضمون

مضمون اردو کی مشہور و معروف صنف ہے۔ کسی موضوع کے متعلق کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مواد اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کو مضمون کہتے ہیں۔ پیش کیے جانے والے مواد میں تسلسل اور ربط کا ہونا لازمی ہے۔ ساتھ ہی مواد کا مدلل اور مستند ہونا ضروری ہے اور اگر اعداد و شمار تحریر کیے جا رہے ہوں تو احتیاط ضروری ہے صرف اندازہ اور قیاس آرائیوں سے مضمون نہیں لکھا جا سکتا۔ ورنہ اس میں تاثر نہیں پیدا ہوگا اور مضمون کا حقیقت سے تعلق نہیں رہے گا۔ مضمون میں سنجیدگی، سادگی اور پر اعتماد لہجہ ہونا از حد ضروری ہے۔ مضمون کے تین اہم حصّہ ہوتے ہیں۔ ابتدائیہ، درمیانی مواد یعنی نفسِ مطلب اور اختتام۔ تینوں میں باہمی ربط اور تسلسل ہونا نہایت ضروری ہے۔ جس موضوع پر مضمون لکھا جاتا ہے اس کا مکمل احاطہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ مضمون میں تاثر نہیں پیدا ہوگا۔ مضمون کے لیے موضوع کے تحت زبان کا استعمال کرنا چاہیے۔ سلیس و سادہ اور عام فہم زبان کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک ہو سکے دقیق اور ثقیل الفاظ سے گریز کرنا چاہیے۔

انشائیہ

انشائیہ کو انگریزی میں Essay کہتے ہیں۔ انشائیہ بھی مضمون کی طرح ہی ہوتا ہے لیکن یہ ایک الگ صنف ہے جو مضمون سے مختلف ہوتی ہے۔ اس میں بے تکلف، بے ساختہ اور غیر علمی انداز سے بات کی جاتی ہے۔ انشائیے میں اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر تاثرات بیان کیے جاتے ہیں،

کوئی خاص اصلاحی پہلو کارفرما نہیں ہوتا۔ انشائیہ میں تازگی، شگفتگی، جدت اور ندرت ہوتی ہے۔ اس کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے اس میں تازگی اور شگفتگی پنہاں ہوتی ہے۔ انشائیہ اخبارات اور رسائل میں شائع ہونے والے کالموں سے مختلف ہوتا ہے۔

خطوط نگاری

خط کو نصف ملاقات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں یک طرفہ سہی گفتگو ہوتی ہے۔ دراصل خط ذاتی یا نجی تحریر کو کہتے ہیں۔ ایک شخص اپنے خیالات اور ضروریات کا اظہار کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ زبانی گفتگو کا امکان نہ ہو۔ خط لکھنے والے کو مکتوب نگار اور جس کو خط لکھا جاتا ہے اسے مکتوب الیہ کہتے ہیں۔ خط کے عموماً پانچ حصّے ہوتے ہیں۔ یعنی مکتوب نگار کا نام اور پتہ مع تاریخ، القاب و آداب اور سلام و پیام، آغاز نفسِ مطلب اور اختتام اور آخر میں دستخط۔ اس کے بعد مکتوب الیہ کا پتہ لکھنا نہایت ضروری ہے۔ عموماً خطوط تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ نجی خطوط، دفتری خطوط اور کاروباری خطوط۔ لیکن ادب میں ان ہی خطوط کو اہمیت حاصل ہے جس میں ادبی چاشنی ہوتی ہے۔

ترجمہ نگاری

ترجمہ ایک فن ہے۔ انسان کا دماغ دنیا کا سب سے اولین مترجم ہے، جو دوسری زبان کے الفاظ کو سامع کی مادری زبان میں ترجمہ کرکے اس کی ترسیل و تفہیم میں تعاون کرتا ہے۔ ترجمہ کے تحت کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کے متن کو دوسری زبان میں نہایت احتیاط کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اصل تحریر کی روح مجروح نہ ہو۔ مصنف یا شاعر کے الفاظ کو اسی مفہوم اور لطف بیان کے ساتھ دوسری زبان کے قالب میں اسی انداز میں پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔ ترجمہ دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان ایک پل ہے۔ اگر دنیا میں ترجموں کا عمل نہ ہوتا تو ایک زبان والے دوسری زبان والوں کی سوچ و فکر ہی نہیں بلکہ تہذیب و تمدن اور ایجادات و دریافت سے بھی ناواقف ہوتے۔

نظم

نظم تسلسل خیال اور ارتکازِ فکر کی وجہ سے اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے جس میں بے پناہ معنویت اور وسعت پائی جاتی ہے نظم کی صنفی شناخت نہ تو ہیئت پر منحصر ہے اور نہ موضوع پر۔ کیونکہ نظم کے

موضوعات متعین ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی مخصوص ہیئت ہے۔نظم کے لغوی معنی ''موتی پرونے'' کے ہیں یعنی ایک لڑی میں موتیوں کو پرونا۔شعری اصطلاح میں وہ صنف مراد ہے۔جس میں ہر طرح کے جذبات واحساسات ،تجربات ومشاہدات،واقعات وحالات اور تفکرات وکیفیات کو پیش کیا جاتا ہے۔فکروخیال کی شیرازہ بندی، تسلسل اور ربط نظم کی جان ہوتا ہے۔نظم میں خیال اور معنی ومفہوم کا تسلسل ہوتا ہے۔نظم کسی بھی موضوع پر لکھی جاتی ہے اس کے موضوعات لامحدود اور متنوع ہیں۔دراصل نظم اردو شاعری کی منفرد مخصوص اور جداگانہ صنف ہے۔

غزل

شاعری کی تمام اصناف میں مقبولِ عام صنف غزل ہے جسے شہرت دوام حاصل ہے۔پروفیسر رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو قرار دیا ہے۔ اردو غزل نے ہمیشہ اپنے آپ کو زمانے اور عہد کے تمام تقاضوں سے جوڑ کر رکھا اور اس عہد کے غالب رجحانات ومیلانات کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔اردو غزل کا موضوعاتی دائرہ ہمیشہ وسیع رہا ہے۔دراصل غزل عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا۔اسی لیے اس صنف کا نام غزل دیا گیا کیونکہ اس میں حسن وعشق کے موضوعات زیادہ ہوتے تھے۔لیکن وقت کی تبدیلی کے ساتھ اس کے موضوعات میں بھی تبدیلیاں آئیں۔غزل کے تمام مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں اور ایک ہی بحر اور ایک ہی وزن میں ہوتے ہیں۔غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے قافیہ اور ردیف کے پابند ہوتے ہیں۔اگر غزل میں ایک مزید مطلع آجائے تو اسے حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔غزل کے سب اچھے شعر کو شاہ بیت یا بیت الغزل کہتے ہیں۔غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں جس میں شاعر کے تخلص کا استعمال ہوتا ہے۔شاعر کے قلمی نام کو تخلص کہا جاتا ہے۔

حمد

حمد وہ نظم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور حمد وثنا بیان کی جائے۔اس کی بڑائی و بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے۔حمد میں اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال،اس کی جاہ و حشمت،اس کی عظمت کی تفسیر وتفہیم اور اس کے فیوض واکرام وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نعت

نعت وہ نظم ہے جو حضور اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف اور شان میں لکھی جاتی ہے۔حضور اکرم

ﷺ کی سیرت ، حیاتِ طیبہ کے روشن پہلو، آپؐ کے اقوال و فرمودات یعنی احادیث، آپ کا رہن سہن، سیاسی ، سماجی، معاشرتی اور ازدواجی زندگی کے ہر پہلوؤں، مذہبی عوامل، تعلیمات وغیرہ۔ الغرض آپؐ کے ہر ایک قول و فعل اور کردار و گفتار کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ نعت میں عشق اور محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کارفرما ہوتی ہے۔ نعت شاعری کی ہر ہئیت میں لکھی جاتی ہے۔

منقبت

وہ نظم جو بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کی شان میں لکھی جائے۔

مناجات/دعا

وہ نظم ہے جس میں شاعر ایک عاجز بندہ کی حیثیت سے اللہ تعالٰی کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو پوری کرنے کی التجا کرتا ہے۔ مناجات میں اللہ تعالٰی کی تعریف کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی بھی تعریف کرتے ہوئے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جس کے لیے عاجزی و انکساری نہایت ضروری ہے۔ مناجات سے قربِ خداوندی حاصل ہوتی ہے اور مناجات کرنے والے کو اللہ تعالٰی پسند فرماتا ہے۔ مناجات کی بھی کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔

قطعہ

غزل یا نظم کے کسی دو اشعار میں ایک ہی مطلب اور خیال واضح ہو تو وہ قطعہ بن جاتا ہے۔ یہ دو اشعار بذاتِ خود ایک نظم ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ قطعہ کا پہلا شعر غزل کے مطلع کی طرح ہم قافیہ و ہم ردیف ہو۔ قطعات میں خیال و جذبہ یا واقعہ کو تسلسل کے ساتھ مکمل صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں قطعہ کو کافی مقبولیت حاصل رہی ہے۔

رباعی

رباعی کا لفظ عربی کے اربع سے بنا ہے۔ جس کے معنی چار کے ہیں۔ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں جسے دو بیتی نظم بھی کہتے ہیں۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع قافیہ اور ردیف کا پابند ہوتا ہے۔ تیسرا مصرع جو غیر مقفّٰی اور غیر مردف ہوتا ہے، وہی رباعی کی جان ہوتا ہے لیکن رباعی کا سارا مفہوم چوتھے مصرعے میں پوشیدہ ہوتا ہے جس کا پُرزور ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ رباعی ایک سنجیدہ صنف شاعری ہے

جس کے لیے ایک خاص بحر مقرر ہے۔ رباعی میں پیش کیے جانے والا خیال اچھوتا ہو، بلند ہو اور اندازِ بیان میں دلکشی ہو۔ رباعی میں عموماً اخلاقی، اصلاحی، مذہبی اور تصوفانہ مضامین کو پیش کیا جاتا ہے۔

قصیدہ

قصیدہ اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی کی مدح سرائی کی جائے یا برائی کی جائے۔ قصیدہ قصد سے مشتق ہے کیوں کہ شاعر ارادہ کر کے کسی کی مدح یا ہجو کرتا ہے۔ قصیدہ کی دو اقسام ایک مدحیہ قصیدہ اور دوسرا ہجو یہ قصیدہ۔ مدحیہ قصیدہ میں ممدوح کی تعریف و توصیف اور اس کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں اور ہجو میں کسی کی تذلیل یا مذمت کی جاتی ہے۔ قصیدہ کا پہلا شعر قافیہ اور ردیف کا پابند ہوتا ہے اور اسے مطلع کہتے ہیں۔ اسی طرح آخری شعر مقطع کہلاتا ہے۔ قصیدہ کے اجزائے ترکیبی پانچ ہیں۔ تشبیب، گریز، مدح، مدعا اور دعا۔ اگر قصیدہ کو کامیاب بنانا ہو تو اجزائے ترکیبی کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

مرثیہ

مرثیہ وہ نظم ہے، جس میں کسی کی موت پر اظہارِ غم کیا جاتا ہے اور اس کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ مرثیہ عربی لفظ 'رثا' سے نکلا ہے جس کے معنی آہ و بکا کے ہیں۔ عموماً واقعاتِ کربلا، حضرت امام حسینؓ اور ان کے اقربا و رفقا کے مصائب، ان کی شہادت کے بیان، کو ہی مرثیہ کہا جاتا ہے۔ بعض شعرا نے اپنے عزیزوں کی موت پر نہایت موثر مرثیے لکھے ہیں۔ مرثیہ میں مرنے والے کے اوصاف، کا بیان بڑے ہی درد انگیز انداز میں کیا جاتا ہے۔ مرثیوں میں منظر نگاری کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

مثنوی

مثنوی سے مراد وہ نظم ہے جس میں قصّہ یا کوئی واقعہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل اور بیانیہ صنف ہے۔ جس میں خیال مربوط رہتا ہے۔ بات سے بات نکلتی ہے اور قصّہ بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ اس میں ایک طویل، مربوط اور مکمل شعری کارنامہ وجود میں آنے کے پورے امکانات ہوتے ہیں۔ واقعہ نگاری مثنوی کی اہم خصوصیت ہے۔ یہ واقعات فطری بھی ہو سکتے ہیں اور فوق فطری بھی۔ رزم و بزم، اخلاق، فلسفہ اور عشقیہ قصّے مثنوی کے خاص موضوعات رہے ہیں۔ منظر نگاری، مثنوی کا اہم جزو ہے۔ مثنوی کا ہر شعر الگ الگ قافیہ اور ردیف کا پاسدار ہوتا ہے۔

پرچۂ سوالات کا نمونہ

وقت: 3:15 گھنٹے — نشانات: 100

ضروری ہدایات: ۱) تمام سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔
۲) ہر سوال کے محاذی نشان درج ہیں۔

I ذیل کے سوالات کے جواب ایک جملہ میں لکھیے۔(صرف حصۂ نثر سے) 10x1=10

1۔ حضور اکرمؐ نے کم سن بچہ کو پیار کرتے ہوئے کیا فرمایا؟
2۔ عالم کا دارومدار کس پر ہے؟
3۔ اسکول سے واپسی کے بعد بچوں نے کس بات کی ضد کی؟
4۔ بدذائقہ کھانا پکانے کا ہنر کس کو آتا ہے؟
5۔ سوویت یونین نے پہلا مصنوعی سیارہ کب اور کہاں بھیجا؟
6۔ جاپانی ٹرینیں اسٹیشنوں پر کتنی دیر رکتی ہیں؟
7۔ ممتاز شیریں اور صمد شاہین نے کونسا اردو رسالہ جاری کیا تھا؟
8۔ حاصل مصدر سے مراد کیا ہے؟
9۔ دوسرا شخص جب گھر سے نکلا تھا تو موسم کیسا تھا؟
10۔ لڑکے کی لاش کیا پکار رہی تھی؟

II (الف) ذیل میں سے کسی پانچ کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے۔(صرف حصہ نثر سے)

11۔ حضور اکرمؐ نے ہم آہنگی اور بھائی چارگی کی تعلیم دیتے ہوئے کیا فرمایا؟ 2x5=10
12۔ عقل سے کیا کارنامے انجام پاتے ہیں؟
13۔ جھگڑا زیادہ دنوں تک رہنے سے کیا ہوتا ہے؟
14۔ چاند کے آس پاس سے دنیا اور آسمان کیسا نظر آتا ہے؟
15۔ مذہب سے وابستگی کے معاملے میں ممتاز شیریں کا رویہ کیسا تھا؟

16۔ فعل کی تعظیمی صورتوں کی چند مثالیں تحریر کیجیے۔

17۔ عہدیداران اسپتال نے بوڑھے بھنگی کو اسپتال میں کیوں بھرتی کرلیا؟

ب) مندرجہ ذیل میں سے کسی پانچ کے جواب دو یا تین جملوں میں لکھیے (صرف حصہ نظم سے)

18۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے کیا ہیں؟ 2x5=10

19۔ حضور اکرمؐ کی رحمت کی کوئی حد کیوں نہیں ہے؟

20۔ وقت کی ناقدری کا انجام کیا ہوتا ہے؟

21۔ زندگی کس کے نور کا خون نچوڑتی ہے؟

22۔ نظم 'خواہش' میں شاعر منبر پر کھڑے لوگوں سے کیا کہہ رہا ہے؟

23۔ شاعر نے ٹیپو سلطان کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

24۔ آج کا انسان کتاب پڑھنے کے بجائے کیا کرتا ہے؟

III (الف) ان میں سے کسی تین سوالات کے جواب پانچ تا سات جملوں میں لکھیے۔ (صرف حصہ نثر سے)

25۔ خادموں کے ساتھ حضور اکرمؐ کے حسن سلوک کا واقعہ بیان کیجیے۔ 3x4=12

26۔ سلیم نے طوفان، بارش اور بجلی سے بچنے کی کونسی دعائیں بتائیں۔

27۔ مضمون نگار نے نئے خانساماں کے پکائے ہوئے قورمے کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

28۔ مجتبیٰ حسین نے اپنے دوست تاجما سے ہندوستان کی ٹرینوں کی کن سہولتوں کا ذکر کیا ہے؟

29۔ صبح مردہ گھر کے دروازہ پر بنیا اور ڈاکٹر کو دیکھ کر نارائن کی کیا حالت ہوئی اور انجام کیا ہوا؟

(ب) کسی تین جملوں کی بحوالۂ متن وضاحت کیجیے۔ 3x2=6

30۔ ''بارش آنے والی ہے کپڑے اٹھاؤ''۔

31۔ ''مگر ان سب میں کسی نے کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔''

32۔ ''صاحب! آج کل وفادار مالک کہاں ملتے ہیں۔''

33۔ ''اس میں اتنی جگہ ہی کہاں ہوتی ہے کہ آپ اپنا بستر لگاسکیں۔''

34۔ ''بخار کا بہانہ کر کے گاؤں جانا چاہتا ہے کم بخت چل کام کر۔''

IV (الف)35 کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھیے۔ 1x5=5

۱) دنیادارالمکافات ہے ۲) ایک نوجوان کے نام

۳) پیارا وطن ہمارا

(ب) ذیل میں دیے کسی پانچ اشعار کی تشریح کیجیے۔(حصہ غزل سے) 2x5=10

36۔ سینکڑوں حرف ہیں گرہِ دل میں

پر کہاں پایئے لبِ اظہار

37۔ جہاں میں ہو غم وشادی بہم ہمیں کیا کام

یاد ہے ہم کو خدا نے وہ دل کے شاد نہیں

38۔ جو پھر جائے اس بے وفا سے تو جانوں

کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

39۔ معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا

اب تم سے دل کی بات کہیں کس زباں سے ہم

40۔ اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک

اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

41۔ میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

42۔ سرفرازی کی تمنا قلب میں رہ جائے گی

ہم کہیں کھو جائیں گے ہمسر بدلتے جائیں گے

(ج)43 کسی ایک رباعی کی تشریح کیجیے۔ 1x4=4

ہمراہِ کرم حسنِ عمل تلتا ہے

احسان سے بابِ لطفِ حق کھلتا ہے

ہمدردئ غیر میں ہے اپنا بھی بھلا
کپڑا دھونے سے ہاتھ بھی دھلتا ہے

44 گلشن کی بہاروں پہ مٹے جاتے ہیں
پُر کیف نظاروں پہ مٹے جاتے ہیں
ظلمت کو پرکھنے کی نظر کس کو ہے
سب چاند ستاروں پہ مٹے جاتے ہیں

45 کسی ایک شاعر کا تعارف لکھیے۔ (صرف غزل کے شاعر) 1x3=3

۱)میر ۲) مجروح ۳) محمود ایاز

V

-46 کسی چار محاورات و مرکبات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔ 1x4=4

بحث و مباحثہ پانی اتارنا کلیجہ منہ کو آنا
نشیب و فراز خدمتِ خلق دل دہلا دینا

-47 کسی چار کے اضداد لکھیے۔ 2

نشیب طول عرش آغاز نور جدید

-48 کسی چار کے مترادفات لکھیے۔ 2

افلاس توقع خسارہ مقبول مدح غفلت

-49 کسی دو ہم صوت الفاظ کا معنوی فرق لکھیے۔ 2

احرام۔ اہرام باز۔بعض صفر۔سفر

-50 کسی چار الفاظ کی جنس پہچانیے۔ 2

ارمان بادل بخار ہمت کتاب پتنگ

-51 کسی چار کے مفعول بنائیے۔ 2

عبد ناصر شکر قادر عابد فتح

-52 ان سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے ایک ایک مرکب لفظ بنائیے۔ 2

[لا] [خوش] [دار] [انگیز]

-53 کسی ایک شعری صنف کی تعریف لکھیے۔ 2

مرثیہ قصیدہ مثنوی

-54 کسی دو جملوں میں مناسب علامات نگارش کا استعمال کیجیے۔ 2

۱) شاباش تم نے بہت اچھا کام کیا

۲) میر غالب اقبال فیض وغیرہ اردو کے بڑے شعرا ہیں

۳) بقول رشید احمد صدیقی غزل اردو شاعری کی آبرو ہے

VI -55 کسی ایک عنوان پر مضمون لکھیے۔ 5

۱) قومی یکجہتی ۲) تاج محل ۳) اسلام میں عورت کا مقام

-56 ذیل کے جملوں کو اردو میں ترجمہ کیجیے۔ 5

1. Gold is Costllier than Silver

2. Bangalore is called Garden City of Karnataka.

3. Book is the best friend.

4. Work is worship.

5. We have to respect our parents.

علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام

تقسیمِ نصاب (Annual Plan)

سلسلہ نشان	ماہ	نصاب	گھنٹے	جملہ گھنٹے
1	جون	حضور اکرمؐ بہ حیثیت معلم انسانیت (نثر)	05	
		حمد (نظم)	02	08
		غزل (میر)	01	
2	جولائی	عقل (نثر)	05	
		دعا (نثر)	06	16
		نعت	03	
		غزل (غالب)	02	
3	اگست	بحث و تکرار (نثر)	06	
		دنیا دار المکافات ہے (نظم)	04	16
		دولت اور وقت (نظم)	04	
		رباعیات (اکبر الہ آبادی)	02	
4	ستمبر	ہمارے خانساماں (نثر)	06	
		ایک نوجوان کے نام (نظم)	04	16
		زندگی (نظم)	04	
		غزل (مومن)	02	
5	اکتوبر	ہفت افلاک سے آگے (نثر)	06	08
		غزل (شاد عظیم آبادی)	02	

6	نومبر	قصہ بلٹ ٹرین کا (نثر)	05	16
		کرناٹک (نظم)	02	
		خواہش (نظم)	03	
		غزلیں (حسرت، فیض، ناصر کاظمی)	06	
7	دسمبر	ممتاز شیریں (نثر)	05	
		اکائی (نظم)	03	
		پیارا وطن (نظم)	02	16
		غزلیں (مجروح، محمود ایاز)	04	
		رباعیات (امجد حیدرآبادی)	02	
8	جنوری	ہمزہ کا بیان (نثر)	05	
		چھتری (نثر)	05	
		ایک دوست کے لیے (نظم)	02	16
		غزل (حمید الماس)	02	
		رباعیات (عطا کلیانوی)	02	
9	فروری	مردہ گھر (نثر)	06	08
		غزل (پروین شاکر)	02	
			جملہ	120

BLUE PRINT FOR QUESTION PAPER

Max. Marks : 100 **Time: 3.15Hrs**

Appreciation-05%	Expression - 25%	Comprehnsion 40%		Knowledge - 30%				Syllabus	سلسلہ نمبر
5	4	5	2	4	3	2	1		
	1		1				1	حضورؐ اکرم بہ حیثیت معلمِ انسانیت	1
			1				1	عقل	2
	1		1				1	دعا	3
			2					بحث وتکرار	4
	1		1				1	ہمارے خانساماں	5
			1				1	ہفت افلاک سے آگے	6
	1		1				1	قصہ بلٹ ٹرین کا	7
			1				1	ممتاز شیریں	8
			1				1	ہمزہ کا بیان	9
							1	چھتری	10
	1		2				1	مردہ گھر	11
			1					حمد	12
			1					نعت	13
1								دنیا دارالامکافات ہے	14
			1					دولت اور وقت	15
1								ایک نوجوان کے نام	16
			1					زندگی	17

								کرناٹک	18
			1					خواہش	19
								اکائی	20
1			1					پیاراوطن	21
			1					ایک دوست کے لیے	22
			1		1			غزل میر تقی میر	23
			1					غزل مرزا غالب	24
			1					غزل مومن	25
								غزل شاد عظیم آبادی	26
			1					غزل حسرت موہانی	27
			1					غزل فیض احمد فیض	28
								غزل ناصر کاظمی	29
			1		1			غزل مجروح سلطان پوری	30
			1					غزل محمود ایاز	31
					1			غزل حمید الماس	32
								غزل پروین شاکر	33
								رباعیات اکبرالہ آبادی	34
				1				رباعیات امجد حیدرآبادی	35
				1				رباعیات عطا کلیانوی	36
								حروف	37
								الفاظ و معنی	38
						1		مرکبات	39
						1		ہم صوت الفاظ	40

								ذو معنی الفاظ	41
						1		مترادفات	42
								تکرار لفظی	43
								واحد جمع	44
						1		اضداد	45
						1		الفاظ کی جنس	46
						1		فعل، فاعل اور مفعول	47
						1		علامتِ نگارش	48
				1				جملہ سازی	49
		1						مضمون نویسی	50
		1						ترجمہ	51

WEIGHTAGE

	Objectives	Percentage(%)	Marks
a.	Knowledge	30	30
b.	Comprehension	40	40
c.	Expression	25	25
d.	Appreciation	05	05
			100

First Edition
May - 2013

© Department of Pre-University
Education 2014.

Revised Edition - 2014

All Rights Are Reserved

No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photo copying, recording or otherwise without the prior permission of the publisher.

This book is sold subject to the condition that it shall not, by way of trade, be lent, resold, hired out or otherwise disposed of without the publisher's consent, in any form of binding or cover other than that in which it is published.

The correct price of this publication is the price printed on this page/cover page. Any revised price indicated by a rubber stamp or by a sticker or by any other means is incorrect and should be unacceptable.

Printed on 80 GSM Maplitho paper

The Karnataka Text Book Society ®
100 feet Ring Road, Banashankari
III Stage, BENGALURU - 560 085.

Publisher :

Abhimaani Prakashana

2/4 Dr.Rajkumar Road, Rajajinagar,
Bengaluru - 560 010, Ph: 080 23123141
e-mail:abhimaanigroup@gmail.com
web:www.abhimaanigroup.com